پنہاں تھا دامِ سخت قریب آشیان کے	اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

البتہ شاعری کی بدولت چند روز جھوٹا عاشق بننا پڑا۔ ایک خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشتِ جنوں کی وہ خاک اڑائی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا۔ کبھی نالۂ نیم شبی سے ربع مسکوں کو ہلا ڈالا کبھی چشم دریا بار سے تمام عالم کو ڈبو دیا۔ آہ و فغاں کے شور سے کرّوبیوں کے کان بہرے ہو گئے شکایتوں کی بوچھاڑ سے زمانہ چیخ اٹھا۔ طعنوں کی بھرمار سے آسمان چھلنی ہو گیا۔ جب رشک کا تلاطم ہوا تو ساری خدائی کو رقیب سمجھا یہاں تک کہ آپ اپنے سے بدگمان ہو گئے جب شوق کا دریا اُمڈا تو کششِ دل سے جذبِ مقناطیسی اور قوتِ کہربائی کا کام لیا۔ بارہا تیغِ ابرو سے شہید ہوئے اور بارہا ایک ٹھوکر سے جی اٹھے۔ گویا زندگی ایک پیراہن تھا کہ جب چاہا اتار دیا اور جب چاہا پہن لیا۔ میدانِ قیامت میں اکثر گزر ہوا بہشت دوزخ کی بارہا سیر کی۔ بادہ نوشی پر آئے تو خم کے خم لنڈھا دئے اور پھر بھی سیر نہ ہوئے کبھی خانہ خمار کی چوکھٹ پر جبہ سائی کی کبھی مے فروش کے در پر گدائی کی۔ کفر سے مانوس رہے ایمان سے بیزار رہے۔ پیرِ مغاں کے ہاتھ پر بیعت کی۔ برہمنوں کے چیلے بنے۔ بت پوجے۔ زنّار باندھا قشقہ لگایا زاہدوں پر پھبتیاں کہیں واعظوں کا خاکہ اڑایا دیر اور بتخانہ کی تعظیم کی کعبہ اور مسجد کی توہین کی۔ خدا سے شوخیاں کیں۔ نبیوں سے گستاخیاں کیں اعجازِ مسیحی کو ایک کھیل جانا حسنِ یوسفی کو ایک تماشا سمجھا۔ غزل کہی تو پاک شہدوں کی بولیاں بولیں قصیدہ لکھا تو بھاٹ اور باد خوانوں کے منہ پھیر دئے

ہر مشتِ خاک میں اکسیر اعظم کے خواص بتلائے ہر چوبِ خشک میں عصائے موسیٰ کے کرشمے دکھلائے ہر نمرودِ وقت کو ابراہیم خلیل سے جا ملایا۔ ہر فرعون بے سامان کو قادرِ مطلق سے جا بھڑایا جس کے مداح بنے اسے ایسا بانس پر چڑھایا کہ خود ممدوح کو اپنی تعریف میں کچھ مزا نہ آیا۔ غرض نامۂ اعمال ایسا سیاہ کیا کہ کہیں سفیدی باقی نہ چھوڑی؎

چو پرسشِ گنہم روزِ حشر خواہد بود	تمسکاتِ گناہانِ خلق پارہ کنند

بیس برس کی عمر سے چالیسویں سال تک تیلی کے بیل کی طرح اُسی ایک چکر میں پھرتے رہے اور اپنے نزدیک سارا جہان طے کر چکے جب آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ جہاں سے چلے تھے اب تک وہیں ہیں۔

شکستِ رنگِ شباب و ہنوز رعنائی	دراں دیار کہ زادی ہنوز آنجائی

نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو دائیں بائیں آگے پیچھے ایک میدان وسیع نظر آیا جس میں بیشمار راہیں چاروں طرف کھلی ہوئی تھیں اور خیال کیلئے کہیں عرصہ تنگ نہ تھا جی میں آیا کہ قدم آگے بڑھائیں اور اس میدان کی سیر کریں مگر [illegible] برس تک ایک چال سے دوسری چال نہ چلے ہوں اور جن کی دوڑ لندنگز زمین میں محدود رہی ہو اُن سے اس وسیع میدان میں کام لینا آسان نہ تھا اس کے سوا بیس برس کی بیکار اور نکمی گردش میں ہاتھ پاؤں چُور ہو گئے تھے اور طاقت رفتار جواب دے چکی تھی لیکن پاؤں میں چکر تھا اس لئے نچلا بیٹھنا بھی دشوار تھا چند روز اسی تردد میں یہ حال رہا کہ ایک قدم آگے پڑتا تھا دوسرا پیچھے ہٹتا تھا۔

ناگاہ دیکھا کہ ایک[۱] خدا کا بندہ جو اس میدان کا مرد ہے ایک دشوار گزار رستے میں رہ نورد ہے بہت سے لوگ جو اس کے ساتھ چلے تھے تھک کر پیچھے رہ گئے ہیں بہت سے ابھی اس کے ساتھ افتاں و خیزاں چلے جاتے ہیں مگر ہونٹوں پہ پپڑیاں جمی ہیں پیروں میں چھالے پڑے ہیں دم چڑھ رہا ہے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں لیکن وہ اولوالعزم آدمی جو ان سب کا رہنما ہے اسی طرح تازہ دم ہے نہ اُسے رستے کی تکان ہے نہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی پروا ہے نہ منزل کی دوری سے کچھ ہراس ہے اُس کی چتونوں میں غضب کا جادو بھرا ہے کہ جس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے وہ آنکھیں بند کر کے اُس کے ساتھ ہو لیتا ہے اُسکی ایک نگاہ ادھر بھی پڑی اور اپنا کام کر گئی بیس برس کے تھکے ہارے خستہ و کوفتہ بھی دشوار گزار رستہ پر پڑ لئے۔ نہ یہ خبر ہے کہ کہاں جاتے ہیں نہ یہ معلوم ہے کہ کیوں جاتے ہیں نہ طلب صادق ہے نہ قدم راسخ ہے نہ عزم ہے نہ استقلال ہے نہ صدق ہے نہ اخلاص ہے مگر ایک زبردست ہاتھ ہے کہ کھینچے لئے چلا جاتا ہے ۔

دیرینہ سال پیری بردش بیک نگاہے		آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں

زمانے کا نیا ٹھاٹھ دیکھکر پرانی شاعری سے جی سیر ہو گیا تھا اور جھوٹے ڈھکوسلے باندھنے سے شرم آنے لگی تھی نہ یاروں کی ابھاروں سے دل بڑھتا تھا نہ ساتھیوں کی ریس سے کچھ جوش آتا تھا مگر یہ ایک ایسے ناسور کا منہ بند کرنا تھا

---

[۱] یعنی ڈاکٹر سید احمد خاں (غفرلہٗ ۱۳۱۵)

جو کسی نہ کسی راہ سے تراوش کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس لئے بخارات درونی جن کے
رکنے سے دم گھٹا جاتا تھا دل و دماغ میں تلاطم کر رہے تھے اور کوئی رخنہ ڈھونڈتے
تھے قوم کے ایک سچے خیر خواہ نے (جو اپنی قوم کے سوا تمام ملک میں اسی نام سے
پکارا جاتا ہے اور جس طرح خود اپنے پُر زور ہاتھ اور قوی بازوؤں سے بھائیوں کی
خدمت کر رہا ہے یہی طرح ہر اپاہج اور نکمے کو اسی کام میں لگانا چاہتا ہے) آکر ملامت
کی اور غیرت دلائی کہ حیوانِ ناطق ہونے کا دعوے کرنا اور خدا کی دی ہوئی
زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑی شرم کی بات ہے

چو انساں لب بجنباں در دہن	در جمادی لاف انسانی مزن

قوم کی حالت تباہ ہے عزیز ذلیل ہو گئے ہیں شریف خاک میں مل گئے ہیں
علم کا خاتمہ ہو چکا ہے دین کا صرف نام باقی ہے افلاس کی گھر گھر پکار ہے پیٹ
کی چاروں طرف دوہائی ہے اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں
تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک
کے پاؤں میں پڑی ہے جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے امرا جو
قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں غافل اور بے پرواہ ہیں علما جن کو قوم کی
اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے زمانہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف
ہیں ایسے وقت میں جس سے جو کچھ بن آئے سو بہتر ہے ورنہ ہم سب ایک ہی
ناؤ میں سوار ہیں اور ساری ناؤ کی سلامتی میں ہماری سلامتی ہے ہرچند لوگ
بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں مگر نظم جو کہ انسان کو بالطبع مرغوب ہے

اور خاصکر عرب کا ترکہ اور مسلمانوں کا موروثی حصہ ہے قوم کے بیدار کرنے کیلئے
اب تک کسی نے نہیں لکھی اگرچہ ظاہر ہے کہ اور تدبیروں سے کیا ہوا جو اس تدبیر
سے ہوگا مگر ایسی تنگ حالتوں میں انسان کے دل پر ہمیشہ دو طرح کے خیال
گزرتے رہتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ ہمکو کچھ کرنا چاہئے
پہلے خیال کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوا کہ کچھ نہوا اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے
بڑے عجائبات ظاہر ہوئے

در فیض ست منشیں اثر کشائش نا امید اینجا	برنگ دانہ از مہر قفل مے روید کلید اینجا

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ اس حکم کی
بجا آوری مشکل تھی اور اس خدمت کا بوجھ اٹھانا دشوار تھا مگر ناصح کی جادو بھری
تقریر دل میں گھر کر گئی دل ہی سے نکلی تھی دل ہی میں جا کر بیٹھی برسوں کی بجھی ہوئی
طبیعت میں ایک ولولہ پیدا ہوا۔ اور باسی کڑھی میں ایک ابال آیا۔ افسردہ دل
اور بوسیدہ دماغ. جو امراض کے متواتر حملوں سے کسی کام کے نہ رہے تھے انہی سے
کام لینا شروع کیا اور ایک مسدس کی بنیاد ڈالی۔ ذلیل کے مکروہات سے فرصت
بہت کم ملی اور بیماریوں کے ہجوم سے اطمینان کبھی نصیب نہ ہوا مگر بہر حال یہ
دھن لگی رہی۔ بارے الحمد للہ کہ بہت سی دقتوں کے بعد ایک ٹوٹی پھوٹی نظم
اس عاجز بندہ کی بساط کے موافق تیار ہو گئی اور ناصح مشفق سے شرمندہ ہونا نہ
پڑا۔ صرف ایک امید کے سہارے پر یہ راہ دور دراز طے کی گئی ہے ورنہ

۱؎ اور وہ ایسا خدا ہے کہ جب لوگ ناامید ہو جاتے ہیں تو وہ مینھ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے *

منزل کا نشان نہ اب تک ملا ہے نہ آئندہ ملنے کی توقع ہے۔

خبرم نیست کہ منزل گہِ مقصود کجاست	اینقدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

اس مسدس کے آغاز میں پانچ سات بند تمہید کے لکھکر اول عرب کی اُس حالت کا خاکہ کھینچا ہے جو ظہورِ اسلام سے پہلے تھی اور جس کا نام اسلام کی زبان میں جاہلیت رکھا گیا پھر کوکب اسلام کا طلوع ہونا اور نبیٔ اُمّی کی تعلیم سے اُس ریگستان کا دفعتاً سر سبز و شاداب ہو جانا اور اُس ابرِ رحمت کا اُمت کی کھیتی کو رحلت کے وقت ہرا بھرا چھوڑ جانا اور مسلمانوں کا دینی و دنیوی ترقیات میں تمام عالم پر سبقت لیجانا بیان کیا ہے اس کے بعد اُن کے تنزل کا حال لکھا ہے اور قوم کے لئے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہے جس میں آ کر وہ اپنے خط و خال دیکھ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے۔ اگرچہ اس جانکاہ نظم میں (جس کی دشواریاں لکھنے والے کا دل اور دماغ ہی خوب جانتا ہے) بیان کا حق مجھ سے نہ ادا ہوا ہے نہ ہو سکتا تھا۔ مگر شکر ہے کہ جس قدر ہو گیا اتنی بھی امید نہ تھی۔ ہمارے ملک کی اہلِ مذاق ظاہراً اس روکھی پھیکی سیدھی سادی نظم کو پسند نہ کرینگے کیونکہ اس میں یا تاریخی واقعات ہیں یا چند آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ ہے یا جو آج کل قوم کی حالت ہے اُس کا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے نہ کہیں نازک خیالی ہے نہ رنگین بیانی ہے نہ مبالغہ کی چاٹ ہے نہ تکلف کی چاشنی ہے۔ غرض کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے اہلِ وطن کے کان مانوس اور مذاق آشنا ہوں۔ اور

کوئی کرشمہ ایسا نہیں ہے کہ لا عین[۱] رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی خلب البشر گویا اہل دہلی و لکھنؤ کی دعوت میں ایک ایسا دسترخوان چنا گیا ہے جس میں اُبالی کھچڑی اور بے مرچ سالن کے سوا کچھ نہیں مگر اس نظم کی ترتیب مزے لینے اور واہ واہ سننے کے لئے نہیں کی گئی بلکہ عزیزوں اور دوستوں کو غیرت اور شرم دلانے کے لئے کی گئی ہے اگر دیکھیں اور پڑھیں اور سمجھیں تو اُن کا احسان ہے ورنہ کچھ شکایت نہیں ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن ست و بس
در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید
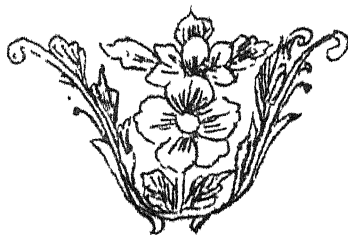
[۱] نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے دل میں گزرا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

کَلِمَتَانِ غَرِیبَتَانِ فَاحْتَمِلُوهُمَا

دو باتیں نادر ہیں انہیں گوارا کرو

کَلِمَةُ حُکْمٍ مِّنْ سَفِیْہٍ فَاقْبَلُوْھَا

(۱) دانائی کی بات جو نادان کہے اُسے قبول کرو

وَکَلِمَةُ سَفَہٍ مِّنْ حَکِیْمٍ فَاغْفِرُوْھَا

(۲) اور نادانی کی بات جو دانا کہے اُسے بخش دو

رُباعی

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے	اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا[۱] دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد	دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

[۱] اُبھرنا پستی سے نکلنا۔ ڈوب کر اچھلنا۔ بیماری سے افاقہ پانا۔

مسدس

مسلمانوں کی موجودہ حالت

کسی نے یہ بقراط[۵۱] سے جاکے پوچھا | مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا | کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں | کہے جو طبیب اس کو ہذیان[۵۲] سمجھیں

سبب[۵۳] یا علامت گر اُن کو سجھائیں | تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں، | یوں ہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ | یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

یہی حال دنیا میں اُس قوم کا ہے | بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہے
کنارا ہے دور اور طوفاں بپا ہے | گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی، | پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

۵۱ یہ شخص قدیم دارالخلافہ شام یعنی شہر حمص میں سکندر سے تقریباً سو برس پہلے گزرا ہے عربی طب میں سب سے پہلے اسی کی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔

۵۲ ہذیان بیہودہ اور بے سروپا باتیں۔

۵۳ طب کی اصطلاح میں سبب وہ چیز ہے جس سے مرض پیدا ہو اور علامت وہ ہے جس سے مرض پہچانا جائے۔

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

پر اس قوم غافل کی غفلت وہی ہے
تنزل پہ اپنے قناعت وہی ہے
ملے خاک میں پر رعونت وہی ہے
ہوئی صبح اور خواب راحت وہی ہے
نہ افسوس انہیں اپنی ذلت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ

بہائم کی اور انکی حالت ہے یکساں
کہ جس حال میں ہیں اسی میں ہیں شاداں
نہ ذلت سے نفرت نہ عزت کا ارماں
نہ دوزخ سے ترساں نہ جنت کے خواہاں
لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انہوں نے
کیا دین برحق کو بدنام انہوں نے

وہ دیں[51] جس نے اعدا کو اخواں بنایا
وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوار دوراں بنایا
گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا
وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلہ
گراں کر دیا اس کا عالم سے پلہ

عرب جسکا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اک جزیرہ[52] نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا
نہ کشور ستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن[53] کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

[51] یہاں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کُنْتُمْ اَعْدَاۤءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا یعنی تم دشمن تھے سو خدا نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور ہو گئے تم اس کے فضل سے بھائی بھائی۔

[52] جزیرہ نما خشکی کے اس قطعہ کو کہتے ہیں جس کے تین طرف پانی اور ایک طرف خشکی ہو۔

[53] تمدن۔ شائستگی اور تہذیب کو کہتے ہیں انگریزی میں اس کا ترجمہ سویلزیشن ہے۔

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور	کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے ساماں تھے واں میسر	کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
نہ سبزہ[۵۱] تھا صحرا میں پیدا نہ پانی	فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی
زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں	لوؤں کی لپٹ بادِ صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں	کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی	عرب اور کُل کائنات اسکی یہ تھی
نہ واں مصر[۵۲] کی روشنی جلوہ گر تھی	نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبعِ بشر تھی	خدا کی زمیں بن جتی سربسر تھی
پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا	تلے آسماں کے بسیرا[۵۳] تھا سب کا
کہیں[۵۴] آگ پجتی تھی واں بے محابا	کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا	بتوں کا عمل سو بسو جابجا تھا
کرشموں[۵۵] کا راہب کے تھا صید کوئی	طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

۵۱ یعنی عرب میں سبزہ، باغ اور آب جاری وغیرہ میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے قوائے انسانی میں شگفتگی پیدا ہو۔

۵۲ مصر کی روشنی مصر کے علوم و فنون سے مراد ہے۔ مصر کی ترقی ہند اور فارس کے سوا تمام دنیا پر مقدم ہے

۵۳ بسیرا پرندوں کے رات کو آرام کرنے کو کہتے ہیں مگر مجازاً انسان کے رہنے کو بھی کہتے ہیں خصوصاً جبکہ وحشیوں کا ذکر ہو۔

۵۴ عرب میں زمانہ جاہلیت میں مختلف مذاہب کے لوگ تھے صابئین کا فرقہ آگ اور ستاروں کی تعظیم کرتا تھا عیسائی تثلیث کے قائل تھے قریش بتوں کو پوجتے تھے راہب عیسائیوں کے درویش تھے اور کاہن غیب کی خبریں دیتے تھے۔

۵۵ کرشمہ تعجب انگیز بات جیسے جہان ہستی کا تماشا۔ طلسم جادو پوشیدہ۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا[۵۱] — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ھدیٰ کا

وہ تیرتھ تھا اک بُت پرستوں کا گویا — جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا بُت اک جدا تھا[۵۲] — کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا — اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور[۵۳] — اندھیرا تھا فاراں[۵۴] کی چوٹیوں پہ

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ[۵۵]

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے — درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

۵۱ اس سے مراد خانہ کعبہ ہے جو کہ بنائے حضرت سلیمان یعنی بیت المقدس سے نو سو پچانوے برس پہلے اور جناب مسیح کی ولادت سے دو ہزار برس پہلے تعمیر ہو چکا تھا۔

۵۲ قبیلے قبیلے کے بُت جدا جدا ہونے سے یہ مراد ہے کہ ہبل، صفا، عزیٰ، نائلہ، لات، منات، اساف وغیرہ بہت سے بُت تھے اور ہر ایک بُت کسی خاص قبیلے سے مخصوص تھا یعنی وہ قبیلہ خصوصیت کے ساتھ اسی بُت کی پرستش کرتا تھا۔

۵۳ اس جگہ مہر انور سے مراد جلوۂ حق ہے۔

۵۴ فاران سے مراد مکہ معظمہ کا پہاڑ ہے۔ اس مصرع میں اُس بشارت کی طرف اشارہ ہے جو بعثت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بابت توریت اور حبقوق نبی کی کتاب میں مسطور ہے توریت میں اُس کے ترجمے کے الفاظ یہ ہیں "خدا سینا سے نکلا ساعیر سے چمکا۔ اور فاران سے ظاہر ہوا" کوہ سینا کو جناب موسےٰ سے اور کوہ ساعیر کو جناب عیسیٰ سے اور کوہ فاران کو جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نسبت دی ہے۔

۵۵ تازیانہ۔ کوڑہ۔ مجازاً تعزیر کو کہتے ہیں۔

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے | سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے | تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا | تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب[۵۱] کی باہم لڑائی | صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی | تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ | کرشمہ اک انکی جہالت کا تھا وہ

اسی طرح اک اور خوں ریز بیدا | عرب میں لقب[۵۲] حرب داحس ہے جسکا
رہا ایک مدت تک آپس میں برپا | بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا
سبب اسکا لکھا ہے یہ اصمعی[۵۳] نے | کہ گھوڑ دوڑ میں جینیدگی تھی کسی نے

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا | کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا | کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں | یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

۵۱ بکر اور تغلب کی لڑائی کا نام جاہلیت کے اشعار میں حرب بسوس ہے۔ بنیاد اس کی یہ تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا۔ کھیت والی عورت نے اسے مارا۔ اونٹ والے نے عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی اس بات پر سنہ ۴۹۴ء سے سنہ ۵۳۵ء تک برابر لڑائی رہی۔ اول یہ لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب سے شروع ہوئی تھی مگر رفتہ رفتہ عرب کے تمام قبیلے اس میں شریک ہو گئے تھے اور ابتدا سے انتہا تک ستر ہزار آدمی مارے گئے۔

۵۲ یہ لڑائی سنہ ۵۶۸ء سے سنہ ۶۳۱ء تک جاری رہی داحس ایک گھوڑا تھا گھوڑ دوڑ میں وہ آگے بڑھا چاہتا تھا ایک شخص نے بڑھکر اسے بدکا دیا۔ اتنی بات پر ایسا رن پڑا کہ قبیلے کے قبیلے کٹ مرے۔ اس لڑائی کا خاتمہ بالکل اسوقت ہوا جب بعض قبیلے اسلام لائے۔

۵۳ اصمعی سے زمانہ جاہلیت کے اکثر قصے منقول ہیں۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُسکو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جوا[۵۱] اُن کی دن رات کی دل لگی تھی
شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی
غرض ہر طرح اُن کی حالت بری تھی
بہت اسطرح گزری تھیں اُنکو صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

یکایک[۵۲] ہوئی غیرت حق کو حرکت
بڑھا جانب بوقبیس[۵۳] ابر رحمت
ادا خاک بطحا[۵۴] نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جسکی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ[۵۵] سے ہویدا
دعائے خلیل[۵۶] اور نوید مسیحا

۵۱ کابتین (کعبتین) عربوں کا ہی ایجاد کیا ہوا قمار ہے۔

۵۲ یعنے خدا کی غیرت کا دریا جوش میں آیا اور وہ اپنی مخلوق کو گمراہی اور ضلالت میں نہ دیکھ سکا اور رحمت الٰہی جوش میں آئی اور وہ ودیعت پوری ہوئی جس کی شہادت انبیائے سابقین دیتے چلے آتے تھے۔

۵۳ یہ عرب کے ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے نیچے جانب غرب شہر مکہ آباد ہے۔

۵۴ بطحا در اصل ایک مقام مکہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے مگر اس لفظ کا اطلاق عموماً ارض مکہ پر کیا جاتا ہے اور لغت میں اُس زمین کو کہتے ہیں جس میں سنگریزے کثرت سے ہوں۔

۵۵ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف آں حضرت صلعم کی والدہ ماجدہ کا نام ہے۔

۵۶ یہ اُس حدیث کیطرف اشارہ ہے جسمیں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں اپنے دادا ابراہیمؑ کی دعا اور اپنے بھائی عیسٰے کی بشارت ہوں کیونکہ حضرت ابراہیم نے جیسا کہ سورۂ بقر کے رکوع ۱۵ میں ہے دعا کی تھی کہ الٰہی مکہ والوں میں ایک نبی اُنہیں میں سے بھیج۔ اور حضرت عیسٰے نے جیسا کہ سورہ صف کے پہلے رکوع میں اور انجیل یوحنا کے پہلے باب میں ہے اپنے کو بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آویگا جس کا نام فارقلیط یعنے احمد ہوگا +

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت
کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت
کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت
یہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا[۵۱] سے

وہ نبیوں میں رحمت[۵۲] لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا[۵۳] ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا[۵۴] ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کندن[۵۵] بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا[۵۶]
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

۵۱ کوہ حرا مکہ سے تین میل ہے۔ جس میں ایک غار ہے جہاں آں حضرت صلعم قبل بعثت ذکر و فکر کیا کرتے تھے۔

۵۲ یہاں قرآن مجید کی آیۃ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کیطرف اشارہ ہے۔

۵۳ ملجا یعنی جائے پناہ۔ ماوی یعنی ٹھکانا۔ والی یعنے مالک۔ مولی یعنے والی۔

۵۴ یہ استعارہ ہے قرآن شریف کی طرف۔

۵۵ یعنی گمراہی اور ضلالت خدا پرستی سے تبدیل ہوگئی۔

۵۶ کایا کا لفظ اردو میں بمعنی ماہیت کے مستعمل ہوتا ہے۔

پڑی کان میں دھات تھی اک نکمّی
نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جسکی
طبیعت میں جو اُسکے جوہر تھے اصلی
ہوئے سب تھے مٹی میں مل کر وہ مٹی
یہ تھا ثبت علم قضا و قدر میں
کہ چمکیگی وہ طلا اک نظر میں

وہ فخر عرب زیب محراب و منبر
تمام اہل مکہ کو ہمراہ لیکر
گیا ایک دن حسب فرمان داور
سوئے دشت اور چڑھکے کوہِ صفا پر[۵۱]
یہ فرمایا سب سے کہ "اے آلِ غالب[۵۲]
سمجھتے ہو تم مجھکو صادق کہ کاذب"

کہا سب نے "قول آجتک کوئی تیرا
کبھی ہم نے جھوٹا سُنا اور نہ دیکھا"
کہا "گر سمجھتے ہو تم مجھکو ایسا
تو باور کروگے اگر میں کہونگا
کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پاکر"

کہا "تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے
کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں[۵۳] ہے"
کہا "گر مری بات یہ دلنشیں ہے
تو سن لو خلاف اسمیں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اُس سے جو وقت ہے آنیوالا"

۵۱ صفا اور مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں جنکے بیچ میں حاجیوں کو سات بار پے در پے دوڑنے کا حکم ہے حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ ہاجرہ پر جب یہاں سخت حالت گذری تھی تو وہ قلق اور اضطراب کی حالت میں اس مقام پر سرگشتہ و پریشان دوڑتی پھرتی تھیں۔ اسی بنا پر مسلمانوں کو یہاں دوڑنے کا حکم ہوا ہے۔

۵۲ قریش کے اکثر قبائل خصوصاً بنی ہاشم اور بنی امیہ غالب کی اولاد ہیں۔ غالب رسول خدا کے دادا کا نام ہے جو کہ عدنان سے گیارہ پشت نیچے ہیں۔

۵۳ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بسبب اُن کی نیکی، سچائی اور دیانت کے ابتدا ہی سے امین کا لقب حاصل ہوگیا تھا اور آپ کو بعثت سے پہلے سب لوگ محمد الامین کہکر پکارتے تھے۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن[۵۱] سب کے دل میں لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج[۵۲] اٹھے دشت و جبل نام حق سے

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا
حقیقت کا گر ان کو اک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا
بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں[۵۳]
بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانے میں تھا دور صہبائے بطلاں[۵۴]
مئے حق سے محرم نہ تھی بزم دوراں
اچھوتا[۵۵] تھا توحید کا جام اب تک
خم معرفت کا تھا منہ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا[۵۶] اور جزا سے
نہ آگاہ تھے مبدا و منتہا سے
لگا لی تھی اک اک نے لو ما سوا[۵۷] سے
پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے
یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی[۵۸] نے للکار[۵۹] کر جب پکارا

۵۱ لگن کسی قسم کے لگاؤ یا تعلق کو کہتے ہیں۔
۵۲ میدان اور پہاڑ وغیرہ میں ایک مرتبہ بلند آواز سے پکارنے پر وہی آواز بار بار سنائی دیتی ہے اسکو گونج کہتے ہیں
۵۳ پیماں سے مراد الست ہے جسکا اشارہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلیٰ۔
۵۴ یعنی ضلالت و گمراہی کا دور دورہ تھا۔
۵۵ اچھوتا اُس کو کہتے ہیں جسکو کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو اور کسی نے استعمال نہ کیا ہو۔ پس یہ مقصود ہے کہ جس توحید کی اسلام نے تعلیم دی وہ ادیان سابقہ کے حصہ میں نہیں آئی تھی۔
۵۶ یعنی کفار عرب قیامت کے منکر تھے۔
۵۷ صوفیہ کی اصطلاح میں ذات باری کے سوا جو کچھ ہے اُس کو ما سوا کہتے ہیں۔ اور اس مصرع میں طنزاً معشوق مجازی سے مراد لیگئی ہے۔
۵۸ راعی چرواہا۔ ریوڑ کا رکھوالا۔ اس لفظ کا اطلاق صحف آسمانی میں اکثر انبیاء علیہم السلام پر کیا گیا ہے۔
۵۹ للکار کر رعب ناک آواز سے پکارنے کو کہتے ہیں۔

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت[۵۱] کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر بھروسہ ہمیشہ کرو تم اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی نہیں اس کے آگے کسیکو بڑائی

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں نبی اور صدیق[۵۲] مجبور ہیں واں
نہ پرسش[۵۳] ہے رہبان و احبار کی واں نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا کسی کو خدا[۵۴] کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا بڑھا کر بہت[۵۵] تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ اسی طرح ہوں میں بھی ایک اس کا بندہ

۵۱ توحید کی تعلیم جیسی روشن آں حضرت نے دی اس سے پہلے کسی نبی نے نہیں دی۔

۵۲ صدیق نہایت سچا انبیاء پر پہلے ایمان لانیوالا اور اپنی تمام زندگی راستبازی میں بسر کرنیوالا۔

۵۳ رہبان عیسائیوں کے درویش۔ احبار یہودیوں کے علمائے دین۔ ابرار نیک بندے احرار جو سوائے خدا کے سب چیزوں سے آزاد اور بے تعلق ہوں۔

۵۴ یہ حدیث ذیل کا ترجمہ ہے لا تطرونی کما اعزت النصاری بن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبد اللہ ورسولہ

۵۵ یعنی امت مسیحیہ کی طرح تم مجھکو بڑھا کر الوہیت کے درجہ تک نہ پہنچانا کیونکہ اس سے دین کے مخالفوں کو طعن کا موقعہ ملتا ہے اور دین کی تحقیر ہوتی ہے۔ پس انبیاء کو ان کی حد سے بڑھا دینا گویا ان کے رتبہ کو دنیا کی نظر میں گھٹا دینا ہے۔

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی[51]

اسی طرح دل ان کا اک اک سے توڑا
کہیں ماسوا کا علاقہ نہ چھوڑا
ہر اک قبلہ کج سے منہ اُن کا موڑا
خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا
کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیئے سر جھکا اُن کے مالک کے آگے

پتا اصل مقصود کا پا گیا جب
نشاں گنج و دولت کا ہاتھ آ گیا جب
محبت سے دل اُن کا گرما گیا جب
سماں اُن پہ توحید کا چھا گیا جب
سکھائے معیشت کے آداب اُن کو
پڑھائے تمدن کے سب باب اُن کو

جتائی اُنہیں وقت کی قدر و قیمت
دلائی اُنہیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دینگے سب آخر رفاقت[52]
ہوں فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑیگا پر ساتھ ہرگز تمہارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گزارا

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے[53]
فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے
اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

۵۱ جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ -

۵۲ یہ حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے یتبع المیت ثلثہ فیرجع اثنان ویبقی معہ واحد یتبعہ اہلہ ومالہ وعملہ فیرجع اہلہ ومالہ ویبقی عملہ -

۵۳ اس بند میں حدیث ذیل کا ترجمہ کیا گیا ہے اغتنم خمسا قبل خمس شبابک قبل ہرمک وصحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک -

یہ کہہ کر کیا علم پر اُن کو شیدا[51]
کہ ہیں دور رحمت سے سب اہل دنیا
مگر دھیان ہے جن کو ہر دم خدا کا
ہے تعلیم کا یا سدا جن میں چرچا
اُنہیں کیلئے یاں ہے نعمت خدا کی
اُنہیں پر ہے واں جا کے رحمت خدا کی

سکھائی اُنہیں نوع انساں پہ شفقت[52]
کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت
شب و روز پہنچاتے ہیں اُس کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لئے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لئے چاہتے ہیں

خدا[53] رحم کرتا نہیں اُس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر
پڑے غم کا سایہ نہ اُس بے اثر پر
کرو مہربانی[54] تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

ڈرایا تعصب سے اُن کو یہ کہہ کر[55]
کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر
وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اُس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اُس محبت کو بہرہ
کہ جو تمکو اندھا کرے اور بہرا

۵۱ اس بند میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے۔ الا ان الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ او عالم او متعلم

۵۲ یہ حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے احسن الی جارک تکن مومنا واحب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما۔

۵۳ ابتدائی چار مصرعوں میں حدیث ذیل کا ترجمہ ہے لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس۔

۵۴ اس شعر میں حدیث ذیل کا ترجمہ ہے ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

۵۵ اس بند میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے لیس منا دعا الی عصبیۃ ولیس منا قاتل عصبیۃ ولیس منا مات علی عصبیۃ حبک الشیء یعمی ویصم

بچایا برائی سے اُن کو یہ کہکر / کہ طاعت[۵۱] سے ترکِ معاصی ہے بہتر
تورع کا ہے ذات میں جن کی جوہر / نہ ہونگے کبھی عابد اُن کے برابر
کرو ذکر اہلِ ورع کا جہاں تم / نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی / کہ بازو[۵۲] سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تاکہ لو اُس سے اپنی پرائی / نہ کرنی پڑے تمکو در در گدائی
طلب سے ہے دنیا کی گر یاں یہ نیت / تو چمکو گے واں ماہ کامل کی صورت

امیروں کو تنبیہ کی اس طرح پر / کہ ہیں[۵۳] تم میں جو اغنیا اور توانگر
اگر اپنے طبقے میں ہوں سب سے بہتر / بنی نوع کے ہوں مددگار و یاور
نہ کرتے ہوں بے مشورت کام ہرگز / اُٹھاتے نہ ہوں بیدھڑک گام ہرگز

تو مردوں سے آسودہ تر ہے وہ طبقہ / زمانہ مبارک ملے جس کو ایسا
پہ جب اہلِ دنیا ہوں اشرارِ دنیا / نہ ہو عیش میں جن کو اوروں کی پروا
نہیں اُس زمانہ میں کچھ خیر و برکت / اقامت سے بہتر ہے اُس وقت رحلت

۵۱ یہ اس حدیث کا ماحصل ہے کہ ذکر رجل عند رسول اللہ بعبادۃ و اجتہاد و ذکر آخر برعۃ فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا تعدل بالرعۃ یعنی الورع

۵۲ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں من طلب الدنیا حلالا استعفافا عن المسئلۃ و سعیا علے اھلہ و تعطفا علی جارہ لقی اللہ تعالیٰ یوم القیمۃ و وجھہ مثل قمر لیلۃ البدر

۵۳ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے اذا کان امراءکم خیارکم و اغنیاءکم سمحاءکم و امورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا و اذا کان امراءکم شرارکم و اغنیاءکم بخلاءکم و امورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا

اخلاق

دئیے پھیر دل اُن کے مکر و ریا سے
بھرا اُن کے سینہ کو صدق و صفا سے
بچایا اُنہیں کذب سے افترا سے
کیا سُرخرو خلق سے اور خدا سے
رہا قول حق میں نہ کچھ باک اُن کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک اُنکو

تمدن

کہیں حفظ صحت کے آئیں سکھائے
سفر کے کہیں شوق اُن کو دلائے
مفاد اُن کو سوداگری کے سُجھائے
اصول اُن کو فرمانروائی کے بتائے
نشاں راہ و منزل کا اک اک دکھایا
بنی نوع کا اُن کو رہبر بنایا

ہوئی ایسی عادت پہ تعلیم غالب
کہ باطل کے شیدا ہوئے حق کے طالب
مناقب سے بدلے گئے سب مثالب
ہوئی روح سے بہرہ ور اُن کی قالب
ہوا جا کے آخر کو قائم سرے پر
جسے راج رد کر چکے تھے وہ پتھر

[illegible]

جب اُمت کو سب مل چکی حق کی نعمت
ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت
نبیؐ نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے
سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے
یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے
کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے
خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا ۔ تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا ۔ خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی ۔ ہرا جس سے ہونیکو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت ۔ نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت ۔ فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا ۔ نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں ۔ ہو گلہ کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں ۔ نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی ۔ زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی ۔ فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی ۔ شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ ۔ جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہیے واں کفایت ۔ سخاوت جہاں چاہیے واں سخاوت
چچی اور تلی دشمنی اور محبت ۔ نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت
جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی ۔ رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

ترقی کا جس دم خیال ان کو آیا ۔ اک اندھیر تھا ربع مسکوں میں چھایا
ہر اک قوم پر تھا تنزل کا سایا ۔ بلندی سے تھا جس نے سب کو گرایا
وہ نیشن[1] جو ہیں آج گردوں کے تارے ۔ دھندلکوں میں پستی کے پنہاں تھے سارے

[1] یعنے انگریزی قومیں ۔ نیشن انگریزی میں قوم کو کہتے ہیں

نہ ہنگامہ تھا گرم عبرانیوں[۵۱] کا
پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا
نہ اقبال یاور تھا نصرانیوں کا
پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں[۵۲] کا
جہاز اہل روما[۵۳] کا تھا ڈگمگاتا
چراغ اہل ایراں کا تھا ٹمٹماتا

اِدھر[۵۴] ہند میں ہر طرف تھا اندھیرا
اُدھر تھا عجم کو جہالت نے گھیرا
کہ تھا گیان گن کا لدایاں سے ڈیرا
کہ دل سب نے کیش و کنش سے تھا پھیرا
نہ جھگڑا ان کا دھیان تھا گیانیوں میں
نہ یزداں پرستی تھی یزدانیوں میں

ہوا ہر طرف موج زن تھی بلا کی
عقوبت کی حد تھی نہ پرسش خطا کی
گلوں پر چھری چل رہی تھی جفا کی
پڑی لٹ رہی تھی ودیعت خدا کی
زمیں پر تھا ابرِ ستم کا دریڑا
تباہی میں تھا نوع انساں کا بیڑا

وہ قومیں جو ہیں آج غمخوار انساں
جہاں عدل کی آج جاری ہیں قرباں
درندوں کی اور اُن کی طینت تھی یکساں
بہت دُور پہنچا تھا ان ظلم و طغیاں
بنے آج جو گلہ باں ہیں ہمارے
وہ تھے بھیڑیئے آدمی خوار سارے

۵۱ عبرانیوں سے مراد یہود ہیں ۵۲ ساسان پسر دارا کی اولاد میں جو بادشاہ ہوئے ہیں۔ وہ ساسانی کہلاتے ہیں ۵۳ روما اٹلی کا نامشہور شہر ہے جو کہ دریائے ٹایبر کے بائیں منارہ بحیرہ شام سے سولہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ رومیوں کی شہنشاہی کے عہد میں یہی شہر دار السلطنت تھا۔ جہاز کو روما کے ساتھ اور چراغ کو عبدالنار یعنے قدمائے اہل فارس کیساتھ جو مناسبت ہے ظاہر ہے۔

۵۴ زمانہ وسطی میں جو کہ حضرت عیسےٰ سے لیکر ۱۵۰۰ء مسیحی تک رہا تقریباً آٹھ سو برس سے تمام یورپ میں تاریکی اور اندھیرا چھایا رہا۔ ظلم اور بدنظمیاں اور جہل اور ضلالت اور بے دیانتی تمام قوموں پر غالب تھی۔ یہی حال ایشیا اور افریقہ میں تھا۔ اُس وقت اسلام کی بدولت صرف عرب نے پُرانی دنیا کے ہر ایک کھونٹ میں روشنی پھیلائی تھی۔

ہنر کا جہاں گرم بازار ہے اب
جہاں ابرِ رحمت گہر بار ہے اب
جہاں عقل و دانش کا بیوپار ہے اب
جہاں فن برستا لگاتار ہے اب
تمدن کا پیدا نہ تھا واں نشاں تک
سمندر کی آئی نہ تھی موج واں تک

نہ رستہ ترقی کا اب تک کھلا تھا
وہ صحرا انہیں قطع کرنا پڑا تھا
نہ زینہ بلندی کا کوئی لگا تھا
جہاں نقش پا تھا نہ شورِ درا تھا
جونہی کان میں حق کی آواز آئی
لگا کرنے دل اُن کا خود رہنمائی

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اُٹھی
کڑک اور دمک دُور دُور اس کی پہنچی
پڑی چار سُو یک بیک دھوم جس کی
جو ٹیکس[۵۱] پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اُس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا اُمیوں[۵۲] نے جہاں میں اُجالا
بُتوں کو عرب اور عجم سے نکالا
ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا
زمانے میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں
ہوئی آتشِ افسردہ آتشکدوں میں
پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
لگی خاک سی اُڑنے سب معبدوں میں
ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے ایک جا سارے ڈنگل بچھڑ کر

۵۱ اندلس یعنی سپین میں ٹیکس سے بڑی کوئی ندی نہیں ہے۔ اس کا طول تخمیناً ساڑھے پانچسو میل ہے۔ ارگون کی حدود سے نکلی ہے اور لبتیں میں سمندر سے جا کر ملی ہے

۵۲ اُمّی اَن پڑھ کو کہتے ہیں۔ عرب میں جونکہ قدیم سے تعلیم و تعلم کا رواج نہ تھا اس واسطے وہاں کے باشندوں کو اُمّی کہا گیا ہے۔

لئے علم و فن اُن سے نصرانیوں نے
کیا کسبِ اخلاق روحانیوں[51] نے
ادب اُن سے سیکھا صفاہانیوں نے
کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں[52] نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو[53] کے مردہ فنوں کو جلایا
فلاطوں[54] کو پھر زندہ کر کے دکھایا
ہر اک شہر و قریہ کو یوناں بنایا
مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا
کیا برطرف پردہ چشمِ جہاں سے
جگایا زمانے کو خوابِ گراں سے

ہر اک میکدے سے بھرا جا کے ساغر
ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثلِ پروانہ ہر روشنی پر
گرہ میں لیا باندھ حکمِ پیمبر
کہ "حکمت[55] کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو"

ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ
ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ
سیاحت میں مشہورِ دنیا ہوئے وہ
ہر اک ملک میں اُن کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت

---

۵۱ روحانیوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو صرف روحانی تعلیم کو ضروری جانتے ہیں۔
۵۲ یزدانیوں سے مجوسی لوگ مراد ہیں۔
۵۳ ارسطو یونان کے نہایت مشہور [illegible] ہے۔ سکندر اعظم کا اُستاد اور افلاطون کا شاگرد تھا۔ حضرت عیسیٰ سے تین سو [illegible] برس پہلے تریسٹھ برس کی عمر میں مرا۔
۵۴ افلاطون ایتھنز دارالخلافہ یونان [illegible] سقراط کا شاگرد تھا۔ یہ بھی نہایت مشہور حکیم تھا۔ اکیاسی برس کی عمر میں حضرت عیسیٰ سے تین سو اڑتالیس برس پہلے مرا۔
۵۵ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا فھو حق بھا۔

کیا جا کے آباد ہر ملکِ ویراں
مہیا کئے سب کی راحت کے ساماں
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں
اُنہیں کر دیا رشکِ صحنِ گلستاں
بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود اُنہیں کی لگائی ہوئی ہے

یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفا[1]
دو طرفہ برابر درختوں کا سایا
نشاں جا بجا میل و فرسخ کے برپا
سرِ راہ کنوئیں اور سرائیں مہیا
اُنہیں کی ہیں سب نے یہ چربے اُتارے
اُسی قافلے کے نشاں ہیں یہ سارے

سدا اُن کو مرغوب سیر و سفر تھا
ہر اک برِ اعظم[2] میں اُن کا گزر تھا
تمام اُن کا چھانا ہوا بحر و بر تھا
جو لنکا میں ڈیرا تو بربر[3] میں گھر تھا
وہ گنتے تھے یکساں وطن اور سفر کو
گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو

جہاں کو ہے یاد اُن کی رفتار اب تک
کہ نقشِ قدم ہیں نمودار اب تک
ہیں سلّون میں اُن کے آثار اب تک
اُنہیں رو رہا ہے ملیبار[4] اب تک
ہمالہ کو ہیں واقعات اُن کے ازبر
نشاں اُن کے باقی ہیں جبر الٹر[5] پر

[1] شیر شاہ نے پانچ برس کی سلطنت میں ایک سڑک بنائی جو چار مہینے کے رستے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس سڑک پر سات سات کوس کے فاصلے سے ایک پختہ سرائے بنوائی لب سڑک جا بجا کنوئیں اور مسجدیں بنوائیں۔ ہر مسجد میں امام اور موذن مقرر کیا۔ ہر سرائے میں مسلمان اور ہندو آدمی نوکر رکھے تاکہ سب کو آرام ملے۔ سڑک کے دونوں طرف درخت لگوائے۔ کوس کوس بھر پر ایک مینارہ بنوایا جس سے رستے کا اندازہ ہو۔

[2] یعنے جتنے براعظم اُس وقت تک انسان کو معلوم تھے ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ سب میں عرب کا گزر تھا

[3] افریقہ میں جو ایک صحرا تین ہزار میل لمبا ہے اُس کے شمالی ملک کو بربر کہتے ہیں۔

[4] ہندوستان کے مغربی ساحل پر جو ملک ہے اُسے ملیبار کہتے ہیں اور سیلون اور ملیبار میں اب تک عرب کی نسل موجود ہے

[5] جبرالٹر کو عرب جبل الطارق اور جبل الفتح کہتے ہیں ابو عبد الرحمٰن موسیٰ بن نصیر نے جب اپنے غلام طارق کو اندلس کی مہم پر [illegible] اول اسی پہاڑ پر پہنچا تھا گویا یہ پہاڑ فتح اندلس کا دروازہ تھا اسی لئے اس [illegible] کہتے ہیں۔

نہیں اس[51] طبق پر کوئی برِ اعظم — نہوں جس میں اُنکی عمارات محکم
عرب۔ ہند۔ مصر۔ اندلس۔ شام۔ دیلم[52] — بناؤں سے ہے اُن کی معمور عالم
سرِ کوہ آدم[53] سے تا کوہ بیضا[54] — ملے گا جہاں جاؤ گے کھوج اُن کا

وہ سنگیں محل اور وہ اُن کی صفائی — تھی جن کے کھنڈروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی — وہ معبد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانے نے گو انکی برکت اٹھالی — نہیں کوئی ویرانہ پر اُن سے خالی

ہوا اندلس[55] اُن سے گلزار یکسر — جہاں اُن کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر — یہ ہے بیت حمرا[56] کی گویا زباں پر
کہ تھے آل عدنان[57] سے میرے بانی — میں ہوں اس زمیں پر عرب کی نشانی

۵۱ اس طبق کا اشارہ زمین کے نصف کرۂ علیا کی طرف ہے جس میں ہم موجود ہیں۔
۵۲ دیلم گیلان کے پاس ایک پہاڑی ملک بحیرہ کیسپین کے جنوب میں واقع ہے پہلے یہ دونوں ملک ایران کی حدود میں شامل تھے اب روس کے ماتحت ہیں۔
۵۳ لنکا میں جو سلسلہ پہاڑوں کا ہے۔ اُس میں سب سے اونچی چوٹی قلۂ آدم یا کوہ آدم ہے۔
۵۴ کوہ بیضا اندلس میں ہے جس کو اہل یورپ سیرا البیدا کہتے ہیں۔ چونکہ اس کی چوٹی برف سے سفید رہتی ہے اس لئے عرب اس کو قلۂ بیضا کہتے تھے اور اس کا قدیم نام سیرا ہے۔
۵۵ اندلس یعنی اسپین میں سات سو برس تک عیسائی قوم مسلمانوں کی محکوم رہی۔
۵۶ یہ عمارت شہر گرینڈا میں جس کو عرب غرناطہ کہتے تھے۔ اہل اسلام کی بڑی یادگار ہے خلفائے بنی اُمیہ سے دوسرے خلیفہ کے عہد میں تیار ہوئی تھی اور اٹھارہویں خلیفہ کے عہد میں اہل اسپین نے مسلمانوں سے چھین لی
۵۷ بنی امیہ اور بنی ہاشم سب عدنان کی اولاد ہیں اسی لئے خلفائے اندلس کو چونکہ بنی امیہ تھے آل عدنان کہا گیا۔

ہویدا ہے غرناطہ سے شوکت انکی — عیاں ہے بلنسیہ سے قدرت انکی
بطلیوس کو یاد ہے عظمت انکی — ٹپکتی ہے قادس سے حسرت انکی
نصیب انکا اشبیلیہ میں ہو سوتا — شب و روز ہے قرطبہ ان کو روتا

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جاکے دیکھے — مساجد کے محراب و در جاکے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جاکے دیکھے — خلافت کو زیر و زبر جاکے دیکھے
جلال انکا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا — کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

وہ بلدہ کہ فخر بلاد جہاں تھا — تر و خشک پر جس کا سکہ رواں تھا
گرا جس میں عباسیوں کا نشاں تھا — عراق عرب جس سے رشک جناں تھا
اڑا لے گئی باد پندار جسکو — بہا لے گئی سیل تاتار جسکو

۹۱ غرناطہ (گرینڈا) اندلس میں نہایت خوش سواد اور خوش اسلوب شہر ہے اندلس کا ایک صوبہ جسمیں غرناطہ ہے اسی نام سے مشہور ہے ابو علی عمرو بن محمد شلوبینی امام نحو اسی صوبہ کا رہنے والا ہے ۹۲ بلنسیہ (ولنسیہ) اندلس کے شرقی حصہ میں ایک نہایت عمدہ شہر ہے جسکا سواد باغوں اور نہروں سے مالامال ہے ۹۳ بطلیوس (ایدجوز) قرطبہ کے شمال مغرب میں چھ دن کے فاصلے پر بہت بڑا شہر ہے اس میں متوکل ابن عمر افطس نے نہایت عالیشان عمارتیں بنوائی تھیں ابن خلاس نے اسکی یاد میں بہت حسرتناک شعر لکھے ہیں ۹۴ قادس انگریزی میں اس کو کیڈس بولتے ہیں اندلس میں ایک چھوٹا سا جزیرہ بارہ میل لمبا تلیج رقاق (بے آف کیڈس) کے متصل واقع ہے ۹۵ اشبیلیہ رسول اندلس کے دار الخلافوں میں سے ہے ۹۶ قرطبہ (کارڈوا) اندلس کا نہایت نامی اور بہت بڑا شہر ہے اسکی فصیل پتھر کی ہے اسمیں سولہ سو مسجدیں اور نو سو حمام اور پچاس شفاخانے اور اسی مدرسے خلفائے امیہ کے عہد میں تھے ناصر اموی نے اسکے قریب میں ایک شہر بالائے کوہ آباد کیا تھا جسکا نام زہرا تھا اور جس کا ذکر سید یحییٰ قرطبی نے اپنے مرثیہ میں کیا ہے ۹۷ اس سے مراد بغداد ہے جو سنہ ۱۳۲ھ سے سنہ ۶۵۶ھ تک عباسیوں کا دار الخلافت رہا۔ یہ شہر عراق عرب میں دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہے غربی کنارے کی آبادی کو کرخ کہتے ہیں اور شرقی کو عسکر مہدی اور رصافہ عراق عرب وہ ملک ہے جسکے غرب میں زمین جزیرہ (مابین دجلہ و فرات) اور شرق میں بلاد کوہستان یعنی عراق عجم ہو اسکے مشہور شہر قادسیہ۔ کوفہ۔ بغداد۔ مدائن۔ بابل۔ نہروان۔ واسط۔ بصرہ وغیرہ ہیں ؏

سنے گوش عبرت سے گر جا کے انساں
کہ تھا جن دنوں مہر اسلام تاباں
تو واں ذرہ ذرہ یہ کرتا ہے اعلاں
ہوا یاں کی تھی زندگی بخش دوراں
پڑی خاک ایتھنز[۵۱] میں جاں یہیں سے
ہوا زندہ پھر نام یوناں[۵۲] یہیں سے

وہ لقمان[۵۳] و سقراط[۵۴] کے دُرِّ مکنوں
ارسطو کی تعلیم سولن[۵۵] کے قانوں
وہ اسرارِ بقراط و درس فلاطوں
پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفوں
یہیں آ کے مُہر سکوت اُنکی ٹوٹی
اسی باغ رعنا سے بو انکی پھوٹی

یہ تھا علم پر واں توجہ کا عالم
کسی طرح پیاس اُنکی ہوتی نہ تھی کم
کہ ہو جیسے مجروح جویائے مرہم
بجھاتا تھا آگ اُنکی باراں نہ شبنم
حریم خلافت میں اونٹوں پہ لد کر
چلے آتے تھے مصر و یوناں کے دفتر

۵۱ یہ شہر قدیم سے یونان کا دار الحکومت ہے یونان کے بڑے بڑے حکیم اور معلم اسی شہر کے تھے اسی واسطے عرب اس کو مدینۃ الحکماء کہتے ہیں ۵۲ خلفائے عباسیہ نے صرف یونان ہی کا نام زندہ نہیں کیا بلکہ ان کے عہد میں رومی فارسی سنسکرت و سریانی وغیرہ کے بیشمار ترجمے عربی زبان میں ہوئے ۔ ابو جعفر منصور نے ایلچی بھیجکے قیصر روم سے کتب حکمیہ کی نقلیں اور ترجمے منگائے ۔ تحریر اقلیدس مجسطی اور کلیلہ دمنہ کا ترجمہ کرایا رشید نے اکثر علوم میں بڑی بڑی کتابیں لکھوائیں مامون نے جزیرہ قبرس سے یونانی فلسفہ کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں اور یورپ میں جہاں کہیں کتاب کا پتہ لگا وہاں سے طلب کیں ۵۳ لقمان ایک نامی فصیح و بلیغ ہے جو حضرت عیسٰے سے تقریباً چھ سو برس پہلے یونان میں ہوا ہے اس کی کہانیاں جنکو عرب امثال لقمان کہتے ہیں بیسیوں زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں ۔ یورپ کے مورخ کہتے ہیں کہ یہی کہانیاں ہیں جنہوں نے وحشیوں کو شائستہ اور ظالموں کو رحمدل اور سرکشوں کو فرمانبردار بنایا ہے آخر مقام ڈلفی میں اسپر لامذہبی کا الزام لگایا گیا اور پہاڑ پر سے نیچے گرا کر مارا گیا ۵۴ سقراط ایتھنز کا رہنے والا نہایت مشہور حکیم اور نوع انسان کا رہنما اور خیر خواہ تھا اس کے وعظ اور نصیحت کی تمام یونان میں دھوم تھی لوگوں نے اسکے اقوال نہایت سعی و کوشش سے جمع کئے حضرت عیسٰے سے چار سو برس پہلے اسکو زہر دیا گیا ۔ اور ۹۹ میں وفات پائی ۵۵ سولن ایتھنز کا رہنے والا تھا یہ اور لائی کرگس یونان کا مشہور مقنن ہے

وہ تارے جو تھے شرق میں جلوہ افگن | پہ تھا اُن کی کرنوں سے تا غرب روشن
نوشتوں سے ہیں جن کے اب تک مزین | کتب خانۂ پیرس و روم و لندن
پڑا غلغلہ جن کا تھا کشوروں میں | وہ سوتے ہیں بغداد کے مقبروں میں

وہ سنجار[۵۱] کا اور کوفہ کا میداں | فراہم ہوئے جس میں مساح دوراں
کرہ کی مساحت کے پھیلائے ساماں | ہوئی جزو سے قدر کل کی نمایاں
زمانہ وہاں آجتک نوحہ گر ہے | کہ عباسیوں کی سبھا وہ کدھر ہے

سمرقند[۵۲] سے اندلس تک سراسر | انھیں کی رصدگاہیں تھیں جادہ گستر
سواد مراغہ[۵۳] میں اور قاسیوں[۵۴] پر | زمیں سے صدا آرہی ہے برابر
کہ جنکی رصد کے یہ باقی نشاں ہیں | وہ اسلامیوں کے منجم کہاں ہیں

۵۱ زمین جزیرہ (مابین دجلہ و فرات) میں جو سرزمین دیار ربیعہ کے نام سے مشہور ہے سنجار اسکا ایک مشہور قدیم شہر ہے یہاں ایک بہت بڑا لق دق میدان ہے جسکو عرب بریہ کہتے ہیں ایکبار اس میدان میں اور دوسری بار کوفہ کے میدان میں مامون بن رشید کے حکم سے مہندس لوگ جمع ہوئے اور کرۂ ارض کے ایک درجہ دائرۂ عظیمہ کی پیمائش کی اور محیط کرہ کو چوبیس ہزار میل متشخص کیا موسیٰ بن شاکر کے چار بیٹے ابوجعفر محمد احمد حسین جنکی کتاب حیل بن موسیٰ مشہور ہے اس کام پر بھیجے گئے تھے۔

۵۲ سمرقند اور اندلس کی رصدگاہوں کے کھنڈر اب تک موجود ہیں

۵۳ مراغہ آذربائیجان میں مروان ابن محمد کا آباد کیا ہوا شہر ہے۔ اس شہر کے باہر ایک بلندی پر ہلاکو خان نے اپنے عہد میں خواجہ نصیرالدین طوسی وغیرہ سے ایک رصدگاہ بنوائی تھی۔

۵۴ قاسیون دمشق کے شمال میں ایک پہاڑ ہے مشہور ہے کہ قابیل نے ہابیل کو یہیں قتل کیا تھا مامون رشید نے ۲۱۴ھ میں قاسیون اور بغداد میں خالد بن عبدالملک وغیرہ سے رصدگاہیں بنوانی شروع کی تھیں ۲۱۸ھ میں جب وہ مر گیا تو وہ رصدیں ناتمام چھوڑ دی گئیں۔ پھر شرف الدولہ بن عضد الدولہ نے بغداد میں ابن رستم کوہی وغیرہ سے رصد بنوائی +

مورخ[۵۱] ہیں جو آج تحقیق والے
تفحص کے ہیں جن کے آئیں نرالے
جنہوں نے ہیں عالم کے دفتر کھنگالے
زمیں کے طبق سر بسر چھان ڈالے
عرب ہی نے دل اُنکے جا کر اُبھارے
عرب ہی سے وہ بھرنے سیکھے طرارے

اندھیرا تو اریخ پر چھا رہا تھا
ستارہ روایت کا گہنا رہا تھا
درایت کے سورج پہ ابر آ رہا تھا
شہادت کا میدان دُھندلا رہا تھا
سرِ رہ چراغ اک عرب نے جلایا
ہر اک قافلہ کا نشاں جس سے پایا

گروہ[۵۲] ایک جویا تھا علمِ نبی کا
لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا
کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح[۵۳] و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

۵۱ یعنے اہل یورپ۔ جو آج علم تاریخ میں تمام عالم پر فائق ہیں۔ اور جنہوں نے علم لسان اور علم جیولوجی اور مختلف قوموں کی قدیمی مذہبی کتابوں سے زمانہ قدیم کے حالات استخراج کیے ہیں۔ اس فن میں ان کے اقرار کے موافق اُن کے استاد عرب ہی تھے۔ افسوس ہے کہ عرب کی تاریخی کتابیں مسلمانوں میں نہیں پائی جاتیں بلکہ انگلستان۔ جرمن۔ فرانس۔ اور روم کے کتب خانوں میں دفتر کے دفتر موجود ہیں۔ ابو رشد۔ حاجی خلیفہ۔ ابن بطوطا۔ ابن لباتہ مخزبطی۔ مسعودی۔ طبری۔ حمزہ۔ اصفہانی وغیرہ وغیرہ ان میں سے ایک کی کتاب بھی ہمنے کبھی نہیں دیکھی۔ مگر یہ سب بیبہا نسخے یورپ کے کتبخانوں میں جا بجا موجود ہیں۔

۵۲ اس گروہ سے مراد محدثین اہل اسلام ہیں

۵۳ جرح محدثین کی اصطلاح میں کسی راوی کو بے پروا یا بد حافظہ یا جھوٹا یا جعلساز وغیرہ ثابت کرنا ہے۔ اور تعدیل کسی راوی کو منضبط یا قوی الحافظہ یا سچا یا معتمد علیہ وغیرہ ٹھیرانا۔

اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو — اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سُنا خازنِ علم دیں جس بشر کو — لیا اُس سے جاکر خبر اور اثر[۵۱] کو
پھر آپ اُسکو پرکھا کسوٹی پہ رکھکر — دیا اَور کو خود مزا اُس کا چکھکر

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا — مناقب[۵۲] کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا — ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسمِ ورع ہر مقدس کا توڑا — نہ مُلّا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

رجال[۵۳] اور اسانید کے جو ہیں دفتر — گواہ اُن کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا انکا احساں یہ اک اہل دیں پر — وہ تھے اس میں ہر قوم و ملت کے رہبر
لبرٹی[۵۴] میں جو آج فائق ہیں سب سے — بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

۵۱ خبر اور اثر حدیث کی قسمیں ہیں۔

۵۲ مناقب خوبیاں۔ مثالب عیوب۔ محدثین نے راویوں کے حالات بیان کرنے میں انصاف اور آزادی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ اگر پرہیزگاروں میں کوئی واقعی عیب دیکھا اُسے ظاہر کر دیا۔ اور اگر فاسقوں میں کوئی خوبی پائی اُسے بھی اخفا نہیں کیا۔ یہ طریقہ بھی اہل یورپ نے عرب ہی سے سیکھا۔

۵۳ رجال سے مراد علم رجال ہے جس میں عالموں اور حدیث کے راویوں کا حال نہایت صحت سے لکھا گیا ہے اور اسانید سے مراد علم حدیث ہے جس میں متن حدیث کیساتھ ایک راوی کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے لکھا ہے کہ "علم رجال پر مسلمان جتنا فخر کریں بجا ہے۔" نہ ایسی کوئی قوم گزری اور نہ اب ہے جس نے مسلمانوں کی طرح بارہ سو برس تک علما کے حالات زندگی لکھے ہوں ہمکو پانچ لاکھ مشہور عالموں کا تذکرہ ان کی کتابوں سے ملتا ہے۔

۵۴ لبرٹی انگریزی میں آزادی کو اور لبرل آزاد کو کہتے ہیں۔

فصاحت کے دفتر تھے سب گاؤ خوردہ ۔۔۔ بلاغت کے رستے تھے سب ناسپردہ
ادھر روم کی شمع انشا تھی مردہ ۔۔۔ ادھر آتش پارسی تھی فسردہ
یکایک[1] جو برق آکے چمکی عرب کی ۔۔۔ کھلی کی کھلی رہگئی آنکھ سب کی

عرب کی جو دیکھی وہ آتش زبانی ۔۔۔ سنی برمحل۔ ان کی شیوہ بیانی
وہ اشعار کی دل میں ریشہ دوانی ۔۔۔ وہ خطبوں کی مانندِ دریا روانی
وہ جادو کے جملے وہ فقرے فسونگر ۔۔۔ تو سمجھے کہ گویا ہم اب تک تھے گونگے

سلیقہ کسیکو نہ تھا مدح و ذم کا ۔۔۔ نہ ڈھب یاد تھا شرح شادی و غم کا
نہ انداز تلقین و وعظ و حکم کا ۔۔۔ خزانہ تھا مدفون زباں اور قلم کا
نو اسنجیاں اُسنے سیکھی ہیں سب نے ۔۔۔ زباں کھولدی سبکی نطق عرب نے

زمانہ میں پھیلی طب اُنکی بدولت ۔۔۔ ہوئی بہرہ ور جس سے ہر قوم و ملت
نہ صرف ایک مشرق میں تھی انکی شہرت ۔۔۔ مسلم تھی مغرب تک اُنکی حذاقت
سلرنو[2] میں جو ایک نامی مطب تھا ۔۔۔ وہ مغرب میں عطار مشک عرب تھا

[1] فصاحت بلاغت عرب کا ذاتی جوہر تھا معرکۂ جنگ میں اُنکی تقریروں سے مبارزوں کے دل بڑھتے تھے اور مخالفوں کے جی چھوٹ جاتے تھے انہیں کی زبانیں تھیں جو لڑائیوں میں تیر و سناں کا کام دیتی تھیں۔ جان ڈیون پورٹ نے لکھا ہے کہ "عرب کے علم ادب نے روم اور یونان کے علم ادب میں ازسرِ نو جان ڈالی تھی" اور نیشنل ٹرانسلیشن کمیٹی کی پہلی تجویز میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ "فن ادب اور خصوصاً قصص و حکایات میں کوئی عرب سے بڑھکر نہیں ہوا" اہل یورپ میں جواب اسپیچ کا دستور ہے جو کہ عام جلسوں قومی مجمعوں میں اور لڑائی وغیرہ کے موقعوں پر کیجاتی ہے تمامتر اندلس کے مسلمانوں سے اُن کے ہاں پہنچی ہے۔

[2] سلرنو نیپلس صوبہ اٹلی کا مشہور شہر ہے وہاں مسلمانوں کا ایک نامی گرامی مدرسہ تھا جسمیں طب کی علمی و عملی تعلیم ہوتی تھی اور تمام یورپ سے لوگ طب سیکھنے کو یہاں آتے تھے (رسالہ کورس مصنفہ ہیملٹ جلد ۲)

ابو بکر رازی[۵۱] - علی ابن عیسیٰ[۵۲]
حکیم گرامی حسین ابن سینا[۵۳]
حنین[۵۴] ابن اسحاق قیس دانا
ضیا[۵۵] ابن بیطار راس الاطبا
انہیں کے ہیں مشرق میں سب نام لیوا
انہیں سے ہوا پار مغرب کا کھیوا

غرض فن ہیں جو مایۂ دین و دولت
طبیعی - الٰہی - ریاضی و حکمت
طب اور کیمیا ہندسہ اور ہیئت
سیاحت تجارت فلاحت عمارت
لگاؤ گے کھوج ان کا جا کر جہاں تم
نشاں ان کے قدموں کے پاؤ گے واں تم

ہوا گو کہ پامال بستاں عرب کا
مگر اک جہاں ہے غزلخواں عرب کا
ہرا کر گیا سب کو باراں عرب کا
سپید و سیہ پر ہے احساں عرب کا
وہ قومیں جو ہیں آج سرتاج سب کی
کنوڈی[۵۶] رہیں گی ہمیشہ عرب کی

۵۱ اس کی تصنیفات ۱۱۳ ضبط کیگئی ہے جنمیں سے اکثر طب میں اول رے میں اور پھر بغداد میں مدتوں علاج کیا اور آخر میں اندھا ہوگیا ۳۲۰ھ ہجری میں وفات پائی ۵۲ علی بن عیسےٰ کو چیمبرز ان سائکلوپیڈیا میں نہایت نامی اطبا اسلام میں سے شمار کیا ہے ۵۳ ابو علی الحسین کا قانون صدہا برس تک یورپ کے مدرسوں میں پڑھایا گیا ہے اس کی تصنیفات مختلف علوم میں چالیس کے قریب شمار کی گئی ہے جنمیں سے کتاب حاصل و محصول کی ۲۰ - شفا کی ۱۸ قانون کی ۱۴ - کتاب الانصاف کی ۲۰ - لسان عرب کی ۱۰ جلدیں نہایت ضخیم ہیں ۴۲۸ھ میں اٹھاون برس کی عمر میں مرا اور ہمدان میں مدفون ہوا ۵۴ حنین عبادان کا رہنے والا عیسائی مذہب بہت بڑا نامی طبیب ہے چونکہ اسنے خلفائے عباسیہ کے یہاں نشو و نما پائی تھی اور متوکل کے عہد میں سررشتہ ترجمہ کا افسر بھی تھا اور اس کا وطن بھی عراق عرب تھا اسلئے حکمائے اسلام میں شمار کیا گیا ہے ۵۵ ضیاء الدین ابن بیطار اندلسی علم نباتات میں بے مثل دیکھا تھا۔ نباتات کی تحقیقات میں دور دور کے سفر کئے ادویہ مفردہ کے بیان میں اکثر کتابوں کا ماخذ اس کی تصنیفات ہیں مصر کے تمام حکیم اسکو اپنا پیشوا جانتے تھے۔ ۶۴۶ھ میں وفات پائی ۵۶ یورپ کے نامی مورخ اڈورڈ گبن - ہنری لوئیس - ڈاکٹر بیلی - سیڈلو - وانسیسی سکندر ہمبلٹ وغیرہ وغیرہ اس بات کے معترف ہیں کہ ہمارے فضل و کمال کا سرچشمہ عرب تھا۔

رہے جبتک ارکانِ اسلام برپا
چلن اہلِ دیں کا رہا سیدھا سادا
رہا میل سے شہد صافی مصفا
رہی کھوٹ سے سیم خالص مبرّا
نہ تھا کوئی اسلام کا مرد میداں
علم ایک تھا شش جہت میں درفشاں

پہ گدلا ہوا جبکہ چشمہ صفا کا
گیا چھوٹ سر رشتہ دینِ ہدیٰ کا
رہا سر پہ باقی نہ سایا ہما کا
وہ پورا ہوا عہد تھا جو خدا کا
کہ ہم نے بگاڑا نہیں کوئی اب تک
وہ بگڑا نہیں آپ دنیا میں جب تک

برے ان پہ وقت آکے پڑنے لگے اب
وہ دنیا میں بس کر اجڑنے لگے اب
بھرے ان کے میلے بچھڑنے لگے اب
بنے تھے وہ جیسے بگڑنے لگے اب
ہری کھیتیاں جل گئیں لہلہا کر
گھٹا کھل گئی سارے عالم پہ چھا کر

نہ ثروت رہی ان کی قائم نہ عزت
گئے چھوڑ ساتھ ان کا اقبال و دولت
ہوئے علم و فن ان سے ایک ایک رخصت
مٹیں خوبیاں ساری نوبت بنوبت
رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اونچا
کہ آتی ہو واں سے نظر ساری دنیا
چڑھے اس پہ پھر اک خردمند دانا
کہ قدرت کے دنگل کا دیکھے تماشا
تو قوموں میں فرق اس قدر پائیگا وہ
کہ عالم کو زیر و زبر پائیگا وہ

۵۱ جیسا سورۂ رعد میں وارد ہے کہ:-

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

(یعنے خدا تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ آپ اپنی حالت نہیں بدلتی)

وہ دیکھیگا ہر سو ہزاروں چمن واں
بہت تازہ تر صورت باغ رضواں
بہت اُن سے کمتر پہ سرسبز خنداں
بہت خشک اور بے طراوت مگر ہاں
نہیں لائے گو برگ و بار اُن کے پودے
نظر آتے ہیں ہونہار اُن کے پودے

پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر
جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سُو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر
ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر
نہیں پھول پھل جسمیں آنیکے قابل
ہوئے رُوکھ جس کے جلانیکے قابل

جہاں زہر کا کام کرتا ہے باراں
جہاں آکے دیتا ہے رو ابر نیساں
تردد سے جو اور ہوتا ہے ویراں
نہیں راس جسکو خزاں اور بہاراں
یہ آواز پیہم وہاں آرہی ہے
کہ اسلام کا باغ ویراں یہی ہے

وہ دین حجازی کا بے باک بیڑا
نشاں جس کا اقصائے عالم میں پہنچا
مزاحم ہوا کوئی خطرہ نہ جس کا
نہ عماں[1] میں ٹھٹکا نہ قلزم میں جھجکا
کیئے پے سپر جس نے ساتوں سمندر
وہ ڈوبا دہانے میں گنگا کے آکر

اگر کان دھر کر سنیں اہل عبرت
تو سیلوں سے تا بہ کشمیر و تبت
زمیں، کوہ، بن، پھول، پھل، ریت، پربت
یہ فریاد سب کر رہے ہیں بہ حسرت
کہ دو کل فخر تھا جن سے اہلِ جہاں کو
لگا اُن سے عیب آج ہندوستاں کو

حکومت نے تمسے کیا گر کنارا
تو اس میں نہ تھا کچھ تمھارا اجارا
زمانہ کی گردش سے ہے کس کو چارا
کبھی یاں سکندر کبھی یاں ہے دارا
نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی
جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی

[1] خلیج عمان، عرب اور بلوچستان کے درمیان [illegible] کو آجکل [illegible] کہتے ہیں۔

ہوئی مقتضی جب کہ حکمت خدا کی
کہ تعلیم جاری ہو خیر الوریٰ کی
پڑی دھوم عالم میں دینِ ہُدیٰ کی
تو عالم کی تم کو حکومت عطا کی
کہ پھیلاؤ دنیا میں حکمِ شریعت
کرو ختم بندوں پہ مالک کی حجت

ادا کر چکی جب حق اپنا حکومت
رہی اب نہ اسلام کو اس کی حاجت
مگر حیف اے فخرِ آدم کی امت
ہوئی آدمیت بھی ساتھ اسکے رخصت
حکومت تھی گویا کہ اک جھول تم پر
کہ اُترتے ہی اُسکے نکل آئے جوہر

زمانہ میں ہیں ایسی قومیں[5] بہت سی
نہیں جن میں تخصیص فرماں دہی کی
پر آفت کہیں ایسی آئی نہ ہوگی
کہ گھر گھر پہ یاں چھا گئی آکے پستی
چکور[6] اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا
ہر اک کھونٹ میں جسکا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا
وہ امت لقب جس کا خیر الامم تھا
نشاں اُس کا باقی ہے صرف اس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں

وگرنہ ہماری رگوں میں لہو میں
ہمارے ارادوں میں اور جستجو میں
دلوں میں زبانوں میں اور گفتگو میں
طبیعت میں فطرت میں عادت میں خو میں
نہیں کوئی ذرہ نجابت کا باقی
اگر ہو کسی میں تو ہے اتفاقی

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے
کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نامِ آبا کو ہم سے گہن ہے
ہمارا قدم ننگِ اہلِ وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت
نہ اپنوں سے الفت نہ غیروں سے نفرت
مزاجوں میں سستی دماغوں میں نخوت
خیالوں میں پستی کمالوں سے نفرت
عداوت نہاں دوستی آشکارا
غرض کی تواضع غرض کی مدارا

نہ اہل حکومت کے ہمراز ہیں ہم
نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایان اعزاز ہیں ہم
نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

تنزل نے کی ہے بری گت ہماری
بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دنیا سے عزت ہماری
نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری
پڑے ہیں اک امید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کی جیتے ہیں سارے

سیاحت کی گوں ہے نہ مرد سفر ہیں
خدا کی خدائی سے ہم بے خبر ہیں
یہ دیواریں گھر کی جو پیش نظر ہیں
یہی اپنے نزدیک حد بصر ہیں
ہیں تالاب میں مچھلیاں کچھ فراہم
وہی انکی دنیا وہی اُن کا عالم

بہشت اور ارم سلسبیل اور کوثر
پہاڑ اور جنگل جزیرے سمندر
اسی طرح کے اور بھی نام اکثر
کتابوں میں پڑھتے رہے ہیں برابر
یہ جبتک نہ دیکھیں کہیں کس یقیں پر
کہ یہ آسماں پر ہیں یا ہیں زمیں پر

وہ بے مول پونجی کہ ہے اصل دولت
وہ شائستہ ملکوں کا گنج سعادت
وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت
وہ دولت کہ ہے وقت جس کی عبارت
نہیں اُس کی وقعت نظر میں ہماری
یونہی مفت جاتی ہے برباد ساری

اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا — تو ہوگا کم و بیش بار اس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دنیا — کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا
نہیں کرتے خست اڑانیمیں اسکے — بہت ہم سخی ہیں لٹانیمیں اسکے

اگر سانس دن رات کے سب گنیں ہم — تو نکلیں گے انفاس ایسے بہت کم
کہ ہو جن میں کل کیلئے کچھ فراہم — یونہی گزرے جاتے ہیں دن رات پیہم
نہیں کوئی گویا خبردار ہم میں — کہ یہ سانس آخر ہے ایک ایک دم میں

گڈرئے کا وہ حکم بردار کتا — کہ بھیڑوں کی ہر دم ہے رکھوال کرتا
جو ریوڑ میں ہوتا ہے پتے کا کھڑکا — تو وہ شیر کی طرح پھرتا ہے بپھرا
گر انصاف کیجے تو ہے ہمسے بہتر — کہ غافل نہیں فرض سے اپنے دم بھر

وہ قومیں جو سب راہیں طے کر چکی ہیں — ذخیرے ہر اک جنس کے بھر چکی ہیں
ہر اک بوجھ بار اپنے سر دھر چکی ہیں — ہوئیں تب ہیں زندہ کہ جب مر چکی ہیں
اسیطرح راہ طلب میں ہیں پویا — بہت دور ابھی انکو جانا ہے گویا

کسی وقت جی بھر کے سوتے نہیں وہ — کبھی سیر محنت سے ہوتے نہیں وہ
بضاعت کو اپنی ڈبوتے نہیں وہ — کوئی لمحہ بیکار کھوتے نہیں وہ
نہ چلنے سے تھکتے نہ اکتاتے ہیں وہ — بہت بڑھ گئے اور بڑھے جاتے ہیں وہ

مگر ہم کہ اب تک جہاں تھے وہیں ہیں — جمادات کی طرح بار زمیں ہیں
ہیں دنیا میں ایسے کہ گویا نہیں ہیں — زمانہ سے کچھ ایسے فارغ نشیں ہیں
کہ گویا ضروری تھا جو کام کرنا — وہ سب کر چکے ایک باقی ہے مرنا

یہاں اور ہیں جتنی قومیں گرامی
تجارت میں ممتاز دولت میں نامی
خود اقبال ہے آج اُن کا سلامی
زمانہ کے ساتھی ترقی کے حامی
نہ فارغ ہیں اولاد کی تربیت سے
نہ بےفکر ہیں قوم کی تقویت سے

دوکان اُنکی ہے اور بازار اُن کا
زمانہ میں پھیلا ہے بیوپار اُن کا
بنج اُن کا ہے اور بیوہار اُن کا
ہے پیر و جواں برسرِ کار اُن کا
مدار اہل کاری کا ہے اب انہیں پر
اُنہیں کے ہیں آفس اُنہیں کے ہیں دفتر

معزز ہیں ہر ایک دربار میں وہ
نہ رسوا ہیں عادات و اطوار میں وہ
گرامی ہیں ہر ایک سرکار میں وہ
نہ بدنام گفتار و کردار میں وہ
نہ پیشہ سے حرفہ سے انکار اُن کو
نہ محنت مشقت سے کچھ عار اُن کو

طبیعت میں اک اک کی ہے خاکساری
تواضع ہے سب کی رگ و پے میں ساری
بُرا سُنکے کرتے ہیں وہ بُردباری
دماغ اُن کے ہیں کبر و نخوت سے عاری
نہ باتوں میں اُنکی حقارت کسی کی
نہ جلسوں میں اُن کے مذمت کسیکی

جو گرتے ہیں گر کر سنبھل جاتے ہیں وہ
ہر اک سانچہ میں جا کے ڈھل جاتے ہیں وہ
پڑے زد تو بچکر نکل جاتے ہیں وہ
جہاں رنگ بدلا بدل جاتے ہیں وہ
ہر اک وقت کا مقتضے جانتے ہیں
زمانے کے تیور وہ پہچانتے ہیں

مگر ہے ہماری نظر اتنی اونچی
نہیں اب تک اصلا خبر ہمکو اتنی
کہ یکساں ہے واں سب بلندی و پستی
کہ ہے کون مردار کُتیا ترقی
جدھر کھولکر آنکھ ہم دیکھتے ہیں
زمانے کو اپنے سے کم دیکھتے ہیں

زمانہ کا دن رات ہے یہ اشارا — کہ ہے آشتی میں مری یاں گزارا
نہیں پیروی جن کو میری گوارا — مجھے ان سے کرنا پڑے گا کنارا
سدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چلتی — چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

چمن میں ہوا آچکی ہے خزاں کی — پھری ہے نظر دیر سے باغباں کی
صدا اور ہے بلبل نغمہ خواں کی — کوئی دم میں حالت ہے اب گلستاں کی
تباہی کے خواب آ رہے ہیں نظر سب — مصیبت کی ہے آنیوالی سحر اب

فلاکت جسے کہئے ام الجرائم — نہیں رہنے دیتی ایماں پہ دل جس سے قائم
بناتی ہے انسان کو جو بہائم — مصلی ہیں دمجمع جس سے نہ صائم
وہ یوں اہل اسلام پر چھا رہی ہے — کہ مسلم کی گویا نشانی یہی ہے

کہیں مکر کے گر سکھاتی ہے ہمکو — کہیں جھوٹ کی لو لگاتی ہے ہمکو
خیانت کی چالیں سجھاتی ہے ہمکو — خوشامد کی گھاتیں بتاتی ہے ہمکو
فسوں جب یہ پاتی نہیں کارگر وہ — تو کرتی ہے آخر کو دریوزہ گر وہ

یہاں جتنی قومیں ہمارے سوا ہیں — ہزار اونمیں خوش ہیں تو دو بینوا ہیں
یہاں لاکھ میں دو اگر اغنیا ہیں — تو سو نیم بسمل ہیں باقی گدا ہیں
ذرا کام غیرت کو فرمائیں گر ہم — تو سمجھیں کہ ہیں مبتذل کس قدر ہم

بگاڑے ہیں گردش نے جو خاندانی — نہیں جانتے بسکہ روٹی کمانی
دلوں میں ہے یہ یک قلم سب نے ٹھانی — کہ کیجے بسر مانگ کر زندگانی
جہاں قدردانوں کا ہیں کھوج پاتے — پہنچتے ہیں واں مانگتے اور کھاتے

کہیں باپ دادا کا ہیں نام لیتے — کہیں روشناسی سے ہیں کام لیتے
کہیں جھوٹے وعدوں پہ ہیں دام لیتے — یونہی سب کو دم دیتے ہیں دام لیتے
بزرگوں کے نازاں ہیں جس نام پر وہ — اُسے بیچتے پھرتے ہیں دربدر وہ

یہ ہیں ڈھنگ اُن تازہ آفت زدوں کے — بہت کم زمانہ ہوا جن کو بگڑے
ابھی ایک عالم ہے آگاہ جن سے — کہ ہیں کس کے بیٹے وہ اور کسکے پوتے
جنہیں دیس پردیس سب جانتے ہیں — حسب اور نسب جن کا پہچانتے ہیں

مگر مٹ چکا جنکا نام ونشاں ہے — پُرانی ہوئی جن کی اب داستاں ہے
فسانوں میں قصوں میں جنکا بیاں ہے — بہت نسل پر ننگ اُنکی جہاں ہے
اُنہیں اُنکی قدر اور پرسش کہیں اب — اُنہیں بھیک تک کوئی دیتا نہیں اب

بہت آگ چلموں کی سلگانے والے — بہت گھاس کی گٹھڑیاں لانیوالے
بہت دربدر مانگ کر کھانیوالے — بہت فاقہ کر کر کے مرجانیوالے
جو پوچھو کہ کس کان کے ہیں وہ جوہر — تو نکلینگے نسل ملوک اُن میں اکثر

انہیں کے بزرگ ایکدن حکمراں تھے — انہیں کے پرستار پیر و جواں تھے
یہی مامن عاجز و ناتواں تھے — یہی مرجع دیلم و اصفہاں تھے
یہی کرتے تھے ملک کی گلہ بانی — انہیں کے گھرونمیں تھی صاحبقرانی

یہ اے قوم اسلام عبرت کی جا ہے — کہ شاہوں کی اولاد دردر گدا ہے
جسے سنئے افلاس میں مبتلا ہے — جسے دیکھئے مفلس و بینوا ہے
نہیں کوئی اُن میں کمانیکے قابل — اگر ہیں تو ہیں مانگ کھانیکے قابل

نہیں مانگنے کا طریق ایک ہی یاں
گدائی کی ہیں صورتیں نت نئی یاں
نہیں حصر کشکول پہ گدیہ گری یاں
کوئی دی تو منگتوں کی ہے کیا کمی یاں
بہت ہاتھ پھیلائے زیرِ ردا ہیں
چھپے اُجلے کپڑوں میں اکثر گدا ہیں

بہت آپ کو کہہ کے مسجد کے بانی
بہت بن کے خود سیدِ خاندانی
بہت سیکھ کر نوحہ و سوز خوانی
بہت مدح میں کر کے رنگیں بیانی
بہت آستانوں کے خدام بن کر
پڑے مانگتے کھاتے پھرتے ہیں در در

مشقت کو محنت کو جو عار سمجھیں
ہنر اور پیشہ کو جو خوار سمجھیں
تجارت کو کھیتی کو دشوار سمجھیں
فرنگی کے پیسے کو مُردار سمجھیں
تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی
وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی

کریں نوکری بھی تو بے عزتی کی
جو روٹی کمائیں تو بے حرمتی کی
کہیں پائیں خدمت تو بے قدری کی
قسم کھائیے اُن کی خوش قسمتی کی
امیروں کے بنتے ہیں جب یہ مصاحب
تو جاتے ہیں ہو کر حمیت سے تائب

کہیں ان کی صحبت میں گانا بجانا
کہیں مسخرہ بن کے ہنسنا ہنسانا
کہیں پھبتیاں کر کے انعام پانا
کہیں چھیڑ کر گالیاں سب سے کھانا
یہ کام اور بھی کرتے ہیں پر نہ ایسے
مسلمان بھائی ہے بن آئیں جیسے

امیروں کا عالم نہ پوچھو کہ کیا ہے
خمیر اُن کا اور اُن کی طینت جدا ہے
سزاوار ہے اُن کو جو ناسزا ہے
روا ہے انہیں سب کو جو ناروا ہے
شریعت ہوئی ہے نکونام اُن سے
بہت فخر کرتا ہے اسلام اُن سے

ہر اک بول پر اُن کے مجلس فدا ہے — ہر اک بات پر واں درست اور بجا ہے
نہ گفتار میں اُن کے کوئی خطا ہے — نہ کردار اُن کا کوئی ناسزا ہے
وہ جو کچھ کہ ہیں کہہ سکے کون اُنکو — بنایا ندیموں نے فرعون اُن کو

وہ دولت کہ ہے مایۂ دین و دنیا — وہ دولت کہ ہے توشۂ راہِ عقبیٰ
سلیماں نے کی جسکی حق سے تمنا — بڑھا جس سے آفاق میں نام کسرا
کیا جسنے حاتم کو مشہور دوراں — کیا جسنے یوسف کو مسجود اخواں

ملا ہے یہ فخر اُس کو ان کی بدولت — کہ سمجھی گئی ہے وہ اصل شقاوت
کہیں ہی وہ سرمایۂ جہل و غفلت — کہیں نشۂ بادۂ کبر و نخوت
جہاں کیلئے جو کہ آبِ بقا ہے — وہ اس قوم کے حق میں سمی ہوا ہے

ادھر مال و دولت نے یاں منھ دکھایا — اُدھر ساتھ ساتھ اس کے ادبار آیا
پڑا آکے جس گھر پہ ثروت کا سایا — عمل واں سے برکت نے اپنا اوٹھایا
نہیں اس یاں چار پیسے کسیکو — مبارک نہیں جیسے پر چیونٹی کو

سمجھتے ہیں سب عیب جن عادتوں کو — بہائم سے نسبت ہے جن سیرتوں کو
چھپاتے ہیں اوباش جن خصلتوں کو — نہیں کرتے اجلاف جن حرکتوں کو
وہ یاں اہل دولت کو ہیں شیر مادر — نہ خوف خدا ہے نہ شرم پیمبر

طبیعت اگر لہو بازی پہ آئی — تو دولت بہت سی اسی میں لٹائی
جو کی حضرتِ عشق نے رہنمائی — تو کر دی بھرے گھر کی دم میں صفائی
پھر آخر لگے مانگنے اور کھانے — یونہی مٹ گئے یاں ہزاروں گھرانے

نہ آغاز پر اپنے غور اُن کو اصلا — نہ انجام کا اپنے کچھ اُن کو کھٹکا
نہ غم اُن کو اولاد کی تربیت کا — نہ کچھ ذلتِ قوم کی اُن کو پروا
نہ حق کوئی دنیا پہ اُنکا نہ دیں پر — خدا کو وہ کیا منہ دکھائینگے جاکر

کسی قوم کا جب اُلٹتا ہے دفتر — تو ہوتے ہیں مسخ اُن میں پہلے تونگر
کمال اُن میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر — نہ عقل اُنکی ہادی نہ دین اُن کا رہبر
نہ دنیا میں ذلت نہ عزت کی پروا — نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا

نہ مظلوم کی آہ و زاری سے ڈرنا — نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہوا و ہوس میں خودی سے گزرنا — تعیش میں جینا نمائش پہ مرنا
سدا خواب غفلت میں بیہوش رہنا — دم نزع تک خود فراموش رہنا

پریشاں اگر قحط سے اک جہاں ہے — تو بیفکر ہیں کیونکہ گھر میں سماں ہے
اگر باغ امت میں فصلِ خزاں ہے — تو خوش ہیں کہ اپنا چمن گلفشاں ہے
بنی نوع انساں کا حق اُنپہ کیا ہے — وہ اک نوع نوع بشر سے جدا ہے

کہاں بندگانِ ذلیل اور کہاں وہ — بسر کرتے ہیں بے غمِ قوت ناں وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتاں وہ — مکاں رکھتے ہیں رشک خلد جناں وہ
نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر — نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

کمر بستہ ہیں لوگ خدمت میں اُنکی — گل و لالہ رہتے ہیں صحبت میں اُنکی
نفاست بھری ہے طبیعت میں اُنکی — نزاکت سو دخل ہے عادت میں اُنکی
دواؤں میں مشک اُنکی اٹھتا ہے ڈھیروں — وہ پوشاک میں عطر ملتے ہیں سیروں

یہ ہو سکتے ہیں اُن کے ہمجنس کیونکر | نہیں چین جن کو زمانے میں دم بھر
سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر | نہ رہنے کا گھر اور نہ سونے کا بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی | جو تدبیر اُلٹی تو تقدیر کھوٹی

یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدا کا | کہ ہے ساری مخلوق کنبا[51] خدا کا
وہی دوست ہے خالقِ دوسرا کا | خلائق سے ہے جسکو رشتہ ولا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں | کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

عمل[52] جن کا ہے اس کلامِ متیں پر | وہ سرسبز ہیں آج روئے زمیں پر
تفوق ہے انکو کہیں و مہیں پر | مدار آدمیت کا ہے اب اُنہیں پر
شریعت کے جو ہمنے پیماں توڑے | وہ لیجا کے سب اہل مغرب نے جوڑے

سمجھتے ہیں گمراہ جن کو مسلماں | نہیں جنکو عقبےٰ میں امید غفراں
نہ حصے میں فردوس جنکے نہ رضواں | نہ تقدیر میں حور جن کے نہ غلماں
پس از مرگ دوزخ ٹھکانا ہے جنکا | حمیم[53] آب زقوم[54] کھانا ہے جن کا

[51] یہ دو حدیثیں ہیں :- (۱) الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔
(۲) الدین النصیحۃ۔

[52] یعنے یورپ کی قومیں جو قوم کی ہمدردی اور وطن کی حمایت اور تمام نوع انسان کی دستگیری اور امداد میں سارے جہان سے فائق ہیں۔

[53] حمیم گرم پانی جو دوزخیوں کو پلایا جائیگا۔

[54] زقوم اہل دوزخ کے لئے ایک [illegible] کی خوراک ہوگی۔

وہ ملک اور ملت پہ اپنی فدا ہیں
اولوالعلم ہیں ان میں یا اغنیا ہیں
سب آپس میں اک اک کے حاجت روا ہیں
طلبگار بہبود خلق خدا ہیں
یہ تمغہ تھا گویا کہ حصہ انہیں کا
کہ حب الوطن[۱] ہے نشاں مومنیں کا

امیروں کی دولت غریبوں کی ہمت
فصیحوں کے خطبے شجاعوں کی جرأت
ادیبوں کی انشا حکیموں کی حکمت
سپاہی کے ہتھیار شاہوں کی طاقت
دلوں کی امیدیں امنگوں کی خوشیاں
سب اہل وطن اور وطن پر ہیں قرباں

عروج انکا جو تم عیاں دیکھتے ہو
مطیع ان کا سارا جہاں دیکھتے ہو
جہاں میں انہیں کامراں دیکھتے ہو
نہیں برتر از آسماں دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں انکی جوانمردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

غنی ہم میں ہیں جو کہ ارباب ہمت
اگر ہے مشائخ سے ان کو عقیدت
مسلم ہے عالم میں جن کی سخاوت
تو ہے پیرزادوں پہ وقف انکی دولت
نکمے ہیں دن رات واں عیش کرتے
یہ نوکر ہیں جتنے وہ بھوکوں ہیں مرتے

عمل واعظوں کے اگر قول پر ہے
نماز اور روزہ کی عادت اگر ہے
تو بخشش کی امید بے صرف زر ہے
تو روز حساب انکو پھر کس کا ڈر ہے
اگر شہر میں کوئی مسجد بنا دی
تو فردوس میں نیو اپنی جما دی

عمارت کی بنیاد ایسی اٹھائی
تماشوں میں ثروت بڑوں کی اڑائی
نہ نکلے کہیں ملک میں جس کا ثانی
نمائش میں دولت خدا کی لٹائی
چھٹی بیاہ میں کرنے لاکھوں کے ساماں
یہ ہیں انکے ارماں یہ ہیں انکی خوشیاں

[۱] حب الوطن حدیث شریف میں آیا ہے حب الوطن من الایمان

مگر دینِ برحق کا بوسیدہ ایواں
تزلزل میں مدت سے ہیں جس کے ارکاں
زمانہ میں جو کوئی دن کا ہے مہماں
نہ پائینگے ڈھونڈے جسے پھر مسلماں
عزیزوں نے اُس سے توجہ ہٹالی
عمارت کا ہے اُس کی اللہ والی

پڑی ہیں سب اُجڑی ہوئیں خانقاہیں
وہ درویش و سلطاں کی امیدگاہیں
کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں
فرشتوں کی پڑتی تھیں جنپر نگاہیں
کہاں ہیں وہ جذبِ الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

وہ علمِ شریعت کے ماہر کدھر ہیں
وہ اخبارِ دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں
محدث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں
وہ مجلس جو کل سربسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

مدارس وہ تعلیمِ دیں کے کہاں ہیں
مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکان شرعِ متیں کے کہاں ہیں
وہ وارث رسولِ امیں کے کہاں ہیں
رہا کوئی امت کا ملجا نہ ماوا
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ ملّا

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر
کہاں ہیں وہ علمِ الٰہی کے منظر
چلی ایسی اس بزم میں بادِ صرصر
بجھیں مشعلیں نورِ حق کی سراسر
رہا کوئی ساماں نہ مجلس میں باقی
صراحی نہ طنبور مطرب نہ ساقی

بہت لوگ بنکر ہوا خواہ امت
سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت
سدا گاؤں در گاؤں نوبت بنوبت
پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیل دولت
یہ ٹھیرے ہیں اسلام کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارث انبیا اب

بہت لوگ پیروں کی اولاد بنکر
بڑا فخر ہے جنکو لے دے کے اسپر
نہیں ذات والا میں کچھ جنکی جوہر
کہ تھے اونکے اسلاف مقبول داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

یہ ہیں جادہ پیمائے راہ طریقت
انہیں پر ہے ختم آج کشف و کرامت
مقام انکا ہے ماورائے[1] شریعت
انہیں کے ہے قبضہ میں بندونکی قسمت
یہی ہیں مراد[2] اور یہی ہیں مرید اب
یہی ہیں جنید[3] اور یہی بایزید اب

بڑھے جس سے نفرت وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی
جگر جس سے شق ہوں وہ تقریر کرنی
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے اون سے جائے
اگر بدنصیبی سے شک اسمیں لائے
تو گردن پہ بارِ گراں لیکے آئے
تو قطعی خطاب اہل دوزخ کا پائے
اگر اعتراض اسکی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اسکو بناتے
کبھی جھاگ[4] پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے
ستوں (چشم بد دور) ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خُلقِ رسولِ امیں کے

[1] یعنی شریعت سے جدا جیسے کہ جاہل صوفی سمجھے ہیں کہ طریقت شریعت سے علیحدہ ہے۔
[2] صوفیہ کی اصطلاح میں مراد وہ شخص ہے جسنے جاذبۂ الٰہی کے بعد سلوک اختیار کیا ہوا اور مرید وہ ہے جو سلوک کے بعد جذب کے مرتبہ کو پہونچا ہو۔
[3] جنید بغدادی اور بایزید بسطامی رحمہما اللہ غالباً تیسری صدی ہجری کے مشہور عرفا کاملین سے ہیں۔
[4] جھاگ یعنے کف یہاں اُس کف سے مراد ہے جو غصہ کے وقت انسان کے منہ سے نکلتا ہے

جو چاہے کہ خوش اوس سے ملکر ہو انساں[1]
نشاں سجدہ کا ہو جبیں پر نمایاں
تو ہے شرط وہ قوم کا ہو مسلماں
تشرع میں اوسکے نہ ہو کوئی نقصاں
لبیں[2] بڑھ رہی ہوں ڈاڑھی چڑھی ہو
ازار اپنی حد سے نہ آگے بڑھی ہو

عقائد میں حضرت[3] کا ہمداستاں ہو
حریفوں سے اونکے بہت بدگماں ہو
ہر اک اصل میں فرع میں ہمزباں ہو
مریدوں کا اونکے بڑا مدح خواں ہو
گر ایسا نہیں ہے تو مردود دیں ہے
بزرگوں سے ملنے کے قابل نہیں ہے

شریعت کے احکام تھے وہ گوارا
گواہ اونکی نرمی[4] کا قرآں ہے سارا
کہ شیدا تھے اونکے یہود اور نصارا
خود اَلدِّیْنُ یُسْرٌ[5] نبی نے پکارا
مگر یاں کیا ایسا دشوار اون کو
کہ مومن سمجھنے لگے بار اون کو

۱ یعنی اگر اون سے کوئی غیر مسلم ملنا چاہے تو وہ خوش اخلاقی سے نہ پیش آوینگے۔

۲ لبیں مونچھوں کے بال جو ہونٹھوں پر سے کتروا دیے جاتے ہیں۔ ۳ یعنے انہیں قبلہ وکعبہ کا۔

۴ قرآن میں بہت سی آیتیں دین اسلام کی آسانی پر دلالت کرتی ہیں جیسے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ چاہتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی اور نہیں چاہتا ہے تمہارے لئے مشکل اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا نہیں تکلیف دیتا ہے اللہ کسی نفس کو مگر اسکی وسعت بھر۔ اور مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ نہیں ڈالی تمپر دین میں مشکل۔ وغیرہ۔

۵ یعنی دین آسان ہے۔ اسیطرح کی بیشمار حدیثیں اسی باب میں مروی ہیں جیسے لَا رَهْبَانِیَّةَ فِی الْاِسْلَامِ وَلَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ نہیں ہے رہبانیت اسلام میں اور نہیں ہے مصیبت اور نہ مصیبت پہونچانا اسلام میں اور اسیطرح اِذَا اَمَّ اَحَدُکُمْ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الصَّغِیْرَ وَالْکَبِیْرَ وَالضَّعِیْفَ وَالْمَرِیْضَ جب پیشوا بنایا جاوے کوئی تم میں سے تو چاہیے کہ تخفیف کا خیال رکھے اسواسطے کہ انمیں صغیر کبیر ضعیف مریض سب طرح کے لوگ ہیں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ موسم حج میں ایک شخص نے آکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوا لیا آپنے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے اب قربانی کرلے پھر ایک اور شخص نے عرض کیا کہ میں نے کنکریاں پھینکنے سے پہلے قربانی کرلی آپنے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے اب کنکریاں پھینک لے۔ صاحب میزان شعرانی کا قول ہے کہ دین میں جس قدر آسانیاں ہیں وہ خدا اور رسول کی طرف سے ہیں اور جتنی مشکلیں ہیں وہ علماء کی طرف سے ہیں۔

نہ کی اونکی اخلاق میں رہنمائی
نہ باطن میں کی اونکے پیدا صفائی
پہ احکام ظاہر کی لے یہ بڑھائی
کہ ہوتی نہیں ان سے دم بھر رہائی
وہ دیں جو کہ چشمہ تھا خلقِ نکو کا
کیا اُسکو بالوعہ غسل و وضو کا

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے
حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدار عمل ہے
ہر اک رائے قرآن کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

جہاں مختلف ہوں روایات باہم
کبھی ہوں نہ سیدھی روایت سے خوش ہم
جسے عقل رکھے نہ ہرگز مسلم
اوسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم
سب اسمیں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں
سمجھ پر ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں
ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں
وہ بدلا گیا آکے ہندوستاں میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جسپہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

تعصب[1] کہ ہے دشمنِ نوعِ انساں — بھرے گھر کئے سیکڑوں جسنے ویراں
ہوئی بزمِ نمرود[2] جس سے پریشاں — کیا جسنے فرعون کو نذرِ طوفاں
گیا جوش میں بولہب جسکے کھویا — ابوجہل کا جسنے بیڑا ڈبویا

وہ یاں اک عجب بھیس میں جلوہ گر ہے — چھپا جسکے پردے میں اسکا ضرر ہے
بھرا زہر جس جام میں سربسر ہے — وہ آبِ بقا ہم کو آتا نظر ہے
تعصب کو اک جزوِ دیں سمجھے ہیں ہم — جہنم کو خلدِ بریں سمجھے ہیں ہم

ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے — کہ جو کام دینی ہے یا دنیوی ہے
مخالف کی ریس اسمیں کرنی بری ہے — نشاں غیرتِ دینِ حق کا یہی ہے
نہ ٹھیک اسکی ہرگز کوئی بات سمجھو — وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو

قدم گر رہِ راست پر اوس کا پاؤ — تو تم سیدھے رستہ سے کترا کے جاؤ
پڑیں اوسمیں جو دقتیں وہ اٹھاؤ — لگیں جس قدر ٹھوکریں اسمیں کھاؤ
جو نکلے جہاز اوسکا بچکر بھنور سے — تو تم ڈالدو ناؤ اندر بھنور کے

اگر مسخ ہو جائے صورت تمہاری — بہائم میں ملجائے سیرت تمہاری
بدلجائے بالکل طبیعت تمہاری — سراسر بگڑ جائے حالت تمہاری
تو سمجھو کہ ہے حق کی اک شان یہ بھی — ہے اک جلوۂ نورِ ایماں یہ بھی

۱؎ تعصب اصل میں بیجا حمایت کو کہتے ہیں مگر چونکہ اکثر بیجا حمایت کے ساتھ ہی بیجا مخالفت اور بیجا نفرت بھی پائی جاتی ہے اسلیے تعصب کا اطلاق حیف و میل دونوں پر ہوتا ہے۔

۲؎ نمرود حضرت ابراہیم کی مخالفت سے اور فرعون حضرت موسیٰ کے عناد سے اور ابولہب اور ابوجہل ہمارے نبی کی دشمنی سے ایسے برباد ہوئے کہ اونکی تباہی اور بربادی آجتک ضرب المثل ہے۔

نہ اوضاع میں تم سے نسبت کسی کو
نہ حاصل یہ کھانوں میں لذّت کسیکو
نہ اخلاق میں تمیہ سبقت کسیکو
نہ پیدا یہ پوشش پہ زینت کسیکو
تمہیں فضل ہر علم میں برملا ہے
تمہاری جہالت میں بھی اک ادا ہے

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بُری تم
حمایت میں ہو جبکہ اسلام کی تم
رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم ۔
تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بری تم
بدی سے نہیں مومنوں کو مضرت
تمہارے گنہ اور نہ اَوروں کی طاعت

مخالف کا اپنے اگر نام لیجے
کبھی بھول کر طرح اس میں نہ دیجے
تو ذکر اوسکا ذلت سے خواری سے کیجے
قیامت کو دیکھو گے اسکے نتیجے
گناہوں سے ہوتے ہو گویا مُبرّا
مخالف پہ کرتے ہو جب تم تبرّا

نہ سُنّی میں اور جعفری میں ہو اُلفت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت
نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
مقلد کرے نا مقلد پہ لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

کرے کوئی اصلاح کا گر ارادہ
جسے ایسے مفسد سے ہے استفادہ
تو شیطان سے اُسکو سمجھو زیادہ
رہ حق سے ہے برطرف اُسکا جادہ
شریعت کو کرتے ہیں برباد دونوں
ہیں مردود شاگرد و استاد دونوں

۱ ایک فرقہ کے جاہل مجتہد اپنے معتقدین کا دل یہی کہکر خوش کردیتے ہیں ۔ +

وہ دیں جسنے الفت کی بنیاد ڈالی / کیا طبع دوران کو نفرت سے خالی
بنایا اجانب کو جس نے موالی / ہر ایک قوم کے دل سے وحشت نکالی
عرب اور حبش ترک و تاجیک و دیلم[1] / ہوئے سارے شیر و شکر ملکے باہم

تعصب نے اوس صاف چشمہ کو آکر / کیا بغض کے خار و خس سے مکدّر
بنے خصم جو تھے عزیز اور برادر / نفاق اہل قبلہ میں پھیلا سراسر
نہیں دستیاب ایسے اب وہ مسلماں / کہ ہو ایک کو دیکھکر ایک شاداں

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے / مصیبت میں یاروں کے غمخوار ہوتے
سب اک اک کے باہم مددگار ہوتے / عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے
جب الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم / تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبر[2] / کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جبتک برادر کا یاور / معین اسکا خود ہے خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی / فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

وہ گھر جسمیں ہوں دل ملے سب کے باہم / خوشی ناخوشی میں ہوں سب یار و ہمدم
اگر ایک خوشدل تو گھر سارا خرم / اگر ایک غمگین تو دل سب کے پرغم
مبارک ہے اوس قصر شاہنشہی سے / جہاں ایک دل ہو مکدر کسی سے

۱؎ دیلم ایک پہاڑی ملک کا نام ہے جو گیلان کے پاس بحیرۂ کاسپین کے جنوب میں واقع ہے ایران میں شامل تھا اور اب عملداری روس میں داخل ہے اس ملک کے باشندوں کو بھی دیلمی کہتے ہیں جنکے بال اکثر گھونگھر والے ہوتے ہیں۔

اگر ہو مدار اسپہ تحقیق دیں کا
کہ ہے دین والوں کا برتاؤ کیسا
ہے بازار اونکا کھرا یا کہ کھوٹا
ہے قول و قرار اونکا جھوٹا کہ سچا
تو ایسے نمونے بہت شاذ ہیں یاں
کہ اسلام پر جنسے قائم ہو برہاں

مجالس میں غیبت[1] کا زور اس قدر ہے
کہ آلودہ اس خون میں ہر بشر ہے
نہ بھائی کو بھائی سے یاں درگذر ہے
نہ ملّا نہ صوفی کو اس سے حذر ہے
اگر نشۂ[2] مے ہو غیبت میں نہاں
تو ہشیار پائیے نہ کوئی مسلماں

جنہیں چار پیسے کا مقدور ہے یاں
سمجھتے نہیں ہیں وہ انساں کو انساں
موافق نہیں جنسے ایام دوراں
نہیں دیکھ سکتے کسیکو وہ شاداں
نشہ میں تکبر کے ہے چور کوئی
حسد کے مرض میں ہے رنجور کوئی

اگر مرجع خلق ہے ایک بھائی
نہیں ظاہر اوسمیں کوئی برائی
بھلا جسکو کہتی ہے ساری خدائی
ہر اک دل میں عظمت ہے جسکی سمائی
تو پڑتی ہیں اسپر نگاہیں غضب کی
کھٹکتا ہے کانٹا سا آنکھوں میں سبکی

بگڑتا ہے جب قوم میں کوئی بنکر
ابھی بخت و اقبال تھے جسکے یاور
ابھی گردنیں جھکتی تھیں جسکے در پر
مگر کر دیا اب زمانے نے بے پر
تو ظاہر میں کڑھتے ہیں یہ خوش ہیں اندر
کہ ہمدرد ہاتھ آیا اک مفلسی میں

۱ غیبت کے یہ معنی ہیں کہ کسیکی پیٹھ پیچھے یعنی عدم موجودگی میں وہ بات کہنا جو اسکے روبرو کہتے تو وہ خجل و شرمندہ ہوتا پس اگر وہ عیب درحقیقت اوسمیں موجود ہو جو بیان کیا جاوے تو غیبت ہے اور اگر اسمیں وہ عیب نہیں ہے جو بیان کیا جاوے تو وہ غیبت نہیں بلکہ تہمت و بہتان ہے۔ غیبت شرعاً و اخلاقاً بدترین عیب انسانی ہے۔

۲ یعنی اگر غیبت میں بھی شراب کا سا نشہ ہوتا تو تمام مسلمان بدمست و مدہوش پائے جاتے کیونکہ غیبت سے کوئی ..

اگر اک جوانمرد ہمدرد انساں — کرے قوم پر دل سے جان اپنی قرباں
تو خود قوم اوسپر لگادے یہ بہتاں — کہ ہے اوسکی کوئی غرض اسمیں پنہاں
وگرنہ پڑی کیا کسیکو کسیکی — یہ چالیں سراسر ہیں خودمطلبی کی

نکالے گر اونکی بھلائی کی صورت — تو ڈالیں جہانتک بنے اسمیں کھنڈت
سنیں کامیابی میں جب اوسکی شہرت — تو دل سے تراشیں کوئی تازہ تہمت
منہہ اپنا ہو گو دین و دنیا میں کالا — نہ ہو ایک بھائی کا پر بول بالا

اگر پاتے ہیں دو دلوں میں صفائی — تو ہیں ڈالتے اونمیں طرح جدائی۔
ٹھنی دو گروہوں میں جسدم لڑائی — تو گویا تمنا ہماری بر آئی
بس اس سے نہیں مشغلہ خوب کوئی — تماشا نہیں ایسا مرغوب کوئی

تغلب میں بدنیتی میں دغا میں — نمود اور بناوٹ فریب اور ریا میں
سعایت میں بہتان میں افترا میں — کسی بزم بیگانہ و آشنا میں
نہ پاؤگے رسوا و بدنام ہمسے — بڑھے پھر نہ کیوں شان اسلام ہمسے

خوشامد میں ہمکو وہ قدرت ہے حاصل — کہ انسان کو ہر طرح کرتے ہیں مائل
کہیں احمقوں کو بناتے ہیں عاقل — کہیں ہوشیاروں کو کرتے ہیں غافل
کسیکو اوتارا کسیکو چڑھایا — یونہیں سینکڑوں کو اسامی بنایا

روایات پر حاشیہ اک چڑھانا — قسم جھوٹے وعدہ پہ سو بار کھایا
اگر مدح کرنا تو حد سے بڑہانا — مذمت پہ آنا تو طوفاں اوٹھانا
یہ ہر روز مرہ کا یاں اونکے عنواں — فصاحت میں بےمثل ہیں جو مسلماں

خود پسندی

اوسے جانتے ہیں بڑا اپنا دشمن | ہمارے کرے عیب جو ہم پہ روشن
نصیحت سے نفرت ہے ناصح سے اَن بَن | سمجھتے ہیں ہم رہنماؤں کو رہزن

یہی عیب ہے سبکو کھویا ہے جسنے | ہمیں ناؤ بھر کر ڈبویا ہے جسنے

وہ عہدِ ہمایوں جو خیر القروں[1] تھا | خلافت کا جبتک کہ قایم ستوں تھا
نبوت کا سایہ ابھی رہنموں تھا | سماں خیر و برکت کا ہر دم فزوں تھا

عدالت کے زیور سے تھی سب مزین | پھلا اور پھولا تھا احمدؐ کا گلشن

سعادت بڑی اُس زمانہ کی یہ تھی | کہ جھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی
نہ کرتے تھے خود قولِ حق سے خموشی | نہ لگتی تھی حق کی اونہیں بات کڑوی[2]

غلاموں سے ہوجاتے تھے بند آقا | خلیفہ سے لڑتی تھی اک ایک بڑھیا[3]

[1] یہ اشارہ ہے اس حدیث کے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ بہتر زمانوں میں میرا زمانہ ہے (یعنی صحابہ کا) پھر اونکا جو اُس زمانہ سے ملے ہوئے ہیں (یعنے تابعین کا) پھر اُنکا جو اُنسے ملے ہوئے اور قریب ہیں (یعنی تبع تابعین)

[2] ایک مجلس میں مہاجر و انصار جمع تھے حضرت عمرؓ نے (کہ اسوقت خلیفہ تھے) تین بار سب سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ اگر میں حقوق خلافت میں سستی کروں تو تم کسطرح پیش آؤ۔ بشر بن سعد نے جواب دیا کہ اگر تو ایسا کرے تو ہم تکلے کی طرح تیرے بل نکالدیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم ایسے ہو تو تمہارا کیا کہنا۔

[3] ایک بار حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے بڑے بڑے مہر باندھنے کی ممانعت کر رہے تھے کہ ایک بڑھیا نے کھڑے ہو کر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ اِنْ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا اگر دے چکے ہو تم ان میں سے ایک کو بہت کچھ مال تو اوس دیے ہوئے مال میں سے کچھ واپس نہ لو۔ اور کہا کہ خلیفہ ہو کر قرآن نہیں سمجھتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے عمر سے سب کا علم زیادہ ہے یہاں تک کہ بڑھیوں کا بھی۔ اور پھر ممانعت نہ کی۔

نبی نے کہا تھا جنہیں فخر امت
مسلم تھی عالم میں جنکی عدالت
جنہیں خلد کی مل چکی تھی بشارت
رہا مفتخر جنسے تخت خلافت
وہ پھرتے تھے[لہ] راتوں کو چھپ چھپ کے در در
کہ شرمائیں اپنا کہیں عیب سنکر

مگر ہم کہ ہیں دام و دد ہم سے بہتر
نہ اقران و امثال میں ہم موقر
نہ ظاہر کہیں ہم میں خوبی نہ مضمر
نہ اجداد و اسلاف کے ہم میں جوہر
نصیحت سے ایسا بُرا مانتے ہیں
کہ گویا ہم اپنے کو پہچانتے ہیں

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر
تو ہے جیسے مذکور قرآن کے اندر
کوئی ہم پہ مبعوث ہوتا پیمبر
ضلالت یہود اور نصاریٰ کی اکثر
یوں ہیں جو کتاب اس پیمبر پہ آتی
وہ گمراہیاں سب ہماری جتاتی

ہنر ہم میں ہیں جو ہیں وہ معلوم ہیں سب
چلن اور اطوار مذموم ہیں سب
علوم اور کمالات معدوم ہیں سب
فراغت سے دولت سے محروم ہیں سب
جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر
تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر

لہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک بار کچھ سوداگر آکر شہر سے باہر اترے۔ رات کو آپ اور عبدالرحمٰن بن عوف حسب عادت گشت کرنے کے لئے وہاں گئے۔ انکو رات بھر میں تین بار ایک بچہ کے رونیکی آواز آئی عمر فاروقؓ ہر دفعہ اس خیمہ پر جاتے تھے اور اسکی ماں کو ملامت کرتے تھے کہ تو کیسی بیرحم ماں ہے کہ تیرا بچہ اول شب سے بیچین ہے آخر اس عورت نے کہا کہ اے خدا کے بندے تو نے مجھے ساری رات دق کیا میں اسکے دودھ پینے کی عادت چھڑاتی ہوں اور وہ ضد کرتا ہے کہا کیوں؟ کہا عمرؓ دودھ چھٹے بچوں کا وظیفہ مقرر نہیں کرتا۔ یہ سنکر آپ بہت روئے اور کہا کہ خدا جانے مسلمانوں کے کتنے بچے میرے سبب سے ہلاک ہوئے ہونگے اسیوقت منادی کرائی کہ کوئی عورت اپنے بچے کا دودھ جلدی نہ چھڑائے اور تمام ملک میں حکم دیا کہ ہر مسلمان کے یہاں بچہ ہوتے ہی اسکا وظیفہ مقرر کیا جاوے۔

حکمت یونان

وہ تقویم[۱] پارینہ یونانیوں کی | وہ حکمت کہ ہے ایک دھوکے کی ٹٹی
یقیں جسکو ٹھہرا چکا ہے نکمی | عمل نے جسے کر دیا آکے ردی
اوسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ | کوئی بات اوسمیں نہیں کم زیادہ

زبور اور توریت و انجیل قرآں | بالاجماع ہیں قابل نسخ و نسیاں
مگر لکھ گئے جو اصول اہل یوناں | نہیں نسخ و تبدیل کا اونمیں امکاں
نہیں مٹتے جبتک کہ آثار دنیا | مٹیگا کبھی کوئی شوشہ[۲] نہ اونکا

نتائج ہیں جو مغربی علم و فن کے | وہ ہیں ہند میں جلوہ گر سو برس سے
تعصب نے لیکن وہ ڈالے ہیں پردے | کہ ہم حق کا جلوہ نہیں دیکھ سکتے
جمی ہیں دلوں میں ارسطو[۳] کی رائیں | جواب وحی اُترے تو ایماں نہ لائیں

اب اس فلسفہ پر جو ہیں مرنے والے | شفا[۴] اور مجسطی[۵] کے دم بھرنیوالے
ارسطو کی چوکھٹ پہ سر دھرنیوالے | فلاطون کی اقتدا کرنے والے
وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں | پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں

۱ تقویم پارینہ پرانی جنتری جو سال گذرنے پر کسی کام کی نہیں رہتی۔

۲ شوشہ ریزہ حرف کا سرا۔ مگر یہاں اس لفظ سے انجیل کی اس عبارت کیطرف تلمیح کیگئی ہے جس میں حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں جبتک آسمان و زمین نہ ٹلینگے توریت کا ایک نقطہ یا ایک شوشہ نہ ٹلیگا۔ یعنی حکماے یونان کی کتابونکو مسلمان بھی گویا ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا حضرت عیسیٰ نے توریت کی نسبت فرمایا ہے۔

۳ ارسطو ارسطاطالیس نامی مشہور حکیم ہے افلاطون کا شاگرد اور سکندر کا استاد اور وزیر بھی اور معلم اول کے لقب سے ملقب تھا علم حکمت و فلسفہ و منطق وغیرہ میں کمال دستگاہ رکھتا تھا بلکہ موجد مانا جاتا ہے۔

۴ شفا بو علی سینا کی کتاب کا نام ہے جو تمام فنون حکمت کو جامع ہے اور جس کی اٹھارہ جلدیں ہیں۔

۵ مجسطی حکیم بطلیموس کی کتاب علم ریاضی میں ہے جس کو خواجہ نصیر الدین محقق طوسی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

وہ جب کر چکے ختم تحصیل حکمت
بندھی سر پہ دستار علم و فضیلت
اگر رکھتے ہیں کچھہ طبیعت میں جودت
تو ہے انکی سب سے بڑی یہ لیاقت
کہ گر دن کو وہ رات کہدیں زباں سے
تو منوا کے چھوڑیں اُسے اک جہاں سے

سوا اسکے جو آئے اوسکو پڑھا دیں
اونہیں جو کچھہ آتا ہے اوسکو بتا دیں
وہ سیکھی ہیں جو بولیاں سب سکھائیں
میاں مٹھو[1] اپنا سا اوسکو بنا دیں
یہ لے دیکے ہے علم کا اونکے حاصل
اسی پر ہے فخر اونکو بین الاماثل

نہ سرکار میں کام پانے کے قابل
نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل
نہ بازار میں بوجھہ اُٹھانے کے قابل
نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

جو پوچھو کہ حضرت نے جو کچھہ پڑھا ہے
مراد آپکی اسکے پڑھنے سے کیا ہے
مفاد اسمیں دنیا کا یا دین کا ہے
نتیجہ کوئی یا کہ اس کے سوا ہے
تو مجذوب کی طرح سب کچھہ بکیں گے
جواب اسکا لیکن نہ کچھہ دے سکیں گے

نہ حجت رسالت پہ لا سکتے ہیں وہ
نہ اسلام کا حق جتا سکتے ہیں وہ
نہ قرآں کی عظمت دکھا سکتے ہیں وہ
نہ حق کی حقیقت بتا سکتے ہیں وہ
دلیلیں ہیں سب آج بیکار اونکی
نہیں چلتی تو پو نمیں تلوار اونکی

پڑے اوس مشقت میں ہیں وہ سراپا
نتیجہ نہیں اون کو معلوم جس کا
گئیں بھول آگے کی بھیڑیں جو بیٹھا
اسی راہ پر پڑ گیا گلہ سارا
نہیں جانتے یہ کہ جاتے کدہر ہیں
گئے بھول رستہ وہ بارہ پہر ہیں

[1] میاں مٹھو طوطے کو کہتے ہیں اور میاں مٹھو بنا لینے سے ایسا پڑھانا مراد ہے جیسا طوطے کو پڑھاتے ہیں

مثال انکی کوشش کی ہے صاف ایسی
ادہر اور ادہر دیر تک آگ ڈہونڈی
کہ کھائی کہیں بندروں نے جو سردی
نظر روشنی اونکو آئی نہ اوس کی
مگر ایک جگنو چمکتا جو دیکھا
پتنگا اوسے آگ کا سب نے سمجھا

لیا جاکے تھام اور سب نے اُسے دم
لگے اوسکو سلگانے سب ملکے پیہم
کیا گھانس پھونس اوسپہ لاکر فراہم
نہ کچھ پر آگ سُلگی نہ سردی ہوئی کم
یونہی رات ساری انہوں نے گنوائی
مگر اپنی محنت کی راحت نہ پائی

گذرتے تھے جو جانور اُس طرف سے
ملامت بہت سخت تھے اونکو کرتے
جب اُس کشمکش میں انہیں دیکھتے تہے
کہ شرمائیں وہ زعم باطل سے اپنے
مگر اپنی کد سے نہ باز آتے تھے وہ
ملامت پہ اور الٹے غراتے تھے وہ

نہ سمجھے وہ جب تک ہوا دن نہ روشن
نہ جھاڑینگے گردِ توہم سے دامن
اسیطرح جو ہیں حقیقت کے دشمن
پہ جب ہوگا نورِ سحر لمعہ افگن
بہت جلد ہو جائیگا آشکارا
کہ جگنو کو سمجھے تھے وہ اک شرارا

وہ طب جسپہ غش ہیں ہمارے اطبا
بتانے میں ہے بخل جسکے بہت سا
سمجھتے ہیں جس کو بیاضِ مسیحا
جسے عیب کی طرح کرتے ہیں اخفا
فقط چند نسخوں کا ہے وہ سفینہ
چلے آئے ہیں جو کہ سینہ بہ سینہ

نہ انکو نباتات سے آگہی ہے
نہ تشریح کی رگ کسی پر کھلی ہے
نہ اصلا خبر معدنیات کی ہے
نہ علم طبیعی نہ کیمسٹری ہے
نہ پانی کا علم اور نہ علمِ ہوا ہے
مریضوں کا انکے نگہباں خدا ہے

نہ قانون میں اونکے کوئی خطا ہے
نہ مخزن میں انگشت رکھنے کی جا ہے
سدیدی میں لکھا ہی جو کچھ بجا ہے
نفیسی کے ہر قول پر جاں فدا ہے
سلف لکھ گئے جو قیاس اور گماں سے
صحیفے ہیں اوترے ہوئے آسماں سے

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر
عفونت میں سنڈاس سی جو ہی بدتر
زمیں جس سی ہے زلزلہ میں برابر
ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علم و دیں جس سی تاراج سارا
وہ علموں میں علم ادب ہے ہمارا

برا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے
عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
تو وہ محکمہ جسکا قاضی خدا ہے
مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائینگے سارے
جہنم کو بھر دینگے شاعر ہمارے

سخن جو ہے یاں آج حصہ ہمارا
نہیں قوم کو ظاہرا جس سے چارا
ہر اک کذب و بہتاں ہے جسمیں گوارا
مجسم ہوا وسکا اگر جھوٹ سارا
بنے ہندیں اوس سے اور اک ہمالا
ہمالہ سے ہو جسکی چوٹی دو بالا

زمانہ میں جتنے قلی اور نفر ہیں
کمائی سے اپنی وہ سب بہرہ ور ہیں
گویئے امیروں کے نور نظر ہیں
ڈفالی بھی لے آتے کچھ مانگ کر ہیں
مگر اس تپ دق میں جو مبتلا ہیں
خدا جانے وہ کس مرض کی دوا ہیں

جو سقے نہوں جی سے جائیں گذر سب
ہو میلا جہاں کم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب
جو تیتر جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب
یہ گر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں ملکے خس کم جہاں پاک سارے

عرب جو تھے دنیا میں اس فن کے بانی
زمانے نے جنکی فصاحت تھی مانی
نہ تھا کوئی آفاق میں جن کا ثانی
مٹا دی عزیزوں نے اونکی نشانی
سب اونکی ہنر اور کمالات کھو کر
رہے شاعری کو بھی آخر ڈبو کر

ادب میں پڑی جان اونکی زبان سے
سناں کے لئے کام اونہوں نے لساں سے
چلا دین نے پائی اونکے بیاں سے
زبانوں کے کھنچے تھے پڑ کر سناں سے
ہوئی اونکی شعروں سے اخلاق صیقل
پڑی اونکے خطبوں سے عالم میں ہلچل

خلف اونکے یاں جو کہ جادو بیاں ہیں
بلاغت میں مشہور ہندوستاں ہیں
فصاحت میں مقبول پیر و جواں ہیں
وہ کچھ ہیں تو لیدیکے اس گوں کے یاں ہیں
کہ جب شعر میں عمر ساری گنوائیں
تو بھانڈ اونکی غزلیں مجالس میں گوئیں

طوائف کو ازبر ہیں دیوان اونکے
نکلتے ہیں تکیوں میں ارمان اونکے
گو تو نیہ بیحد ہیں احسان اون کے
ثنا خواں ہیں ابلیس و شیطان اونکے
کہ عقلو نیہ پردے دئے ڈال انہوں نے
ہمیں کر دیا فارغ البال انہوں نے

شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے
کسیکو کبوتر اڑانے کی لت ہے
تباہ اونکی حالت بری اونکی گت ہے
کسیکو بٹیریں لڑانے کی دھت ہے
چرس اور گانجے پہ شیدا ہے کوئی
مدک اور چنڈو کا رسیا ہے کوئی

سدا گرم انفار سے اونکی صحبت
پڑھے لکھوں کے سایہ سے اونکو وحشت
ہر اک رند و اوباش سے اونکی ملت
مدارس کی تعلیم سے اونکو نفرت
کمینوں کے جرگے میں عمریں گنوانی
انھیں گالیاں دینی اور آپ کھانی

نہ علمی مدارس میں ہیں اونکو پاتے
پہ میلوں کی رونق ہیں جا کر بڑھاتے
نہ شائستہ جلسوں میں ہیں آتے جاتے
پڑے پھرتے ہیں دیکھتے اور دکھاتے
کتاب اور معلم سے پھرتے ہیں بھاگے
مگر ناچ گانے میں ہیں سب سے آگے

اگر کیجیے اون پاک شہدوں[1] کی گنتی
ملی خاک میں جنسے عزت بڑوں کی
ہوا جنکے پہلو سے بچکر ہے چلتی
مٹی خاندانوں کی جنسے بزرگی
تو یہہ جس قدر خانہ برباد ہونگے
وہ سب ان شریفوں کی اولاد ہونگے

ہوئی اونکی بچپن میں یوں پاسبانی
لگی ہونے جب کچھہ سمجھہ بوجھہ سیانی[2]
کہ قیدی کی جیسے کٹے زندگانی
چڑھی بھوت کیطرح سر پر جوانی
بس اب گھر میں دشوار تھمنا ہے انکا
اکھاڑوں میں کیوں نہیں رسنا ہے انکا

نشہ میں مے عشق کے چور ہیں وہ
غم چشم و ابرو میں رنجور ہیں وہ
صف فوج مژگاں میں محصور ہیں وہ
بہت ہاتھ سے دل کے مجبور ہیں وہ
کریں کیا کہ ہے عشق طینت میں انکی
حرارت بھری ہے طبیعت میں انکی

اگر شش جہت[3] میں کوئی دلربا ہے
اگر خواب میں کچھہ نظر آگیا ہے
تو دل انکا نادیدہ اوسپر فدا ہے
تو یاد اوسکی دن رات نام خدا ہے
بھری سبکی وحشت سے روداد ہے یاں
جسے دیکھیے قیس و فرہاد ہے یاں

۱ پاک شہدا۔ آزاد۔ بیباک اور بیحیا کو کہتے ہیں جس کی آنکھہ میں کسی کا لحاظ اور شرم باقی نہ رہے۔
۲ سیانی بیائے مخلوط بروزن میانی صفت مونث جسکے معنی ہوشیار صاحب تمیز اور سمجھدار کے ہیں۔
۳ دائیں۔ بائیں۔ آگے۔ پیچھے۔ اوپر۔ نیچے چھہ سمتیں ہیں مگر اس سے اکثر تمام دنیا مراد لیتے ہیں۔

اگر ماں ہے دکھیا تو اون کی بلا سے
جو ہے گھر میں فاقہ تو اونکی بلا سے
اپاہج ہے باوا تو اونکی بلا سے
جو مرتا ہے کنبا تو اونکی بلا سے
جنہوں نے لگائی ہو لو دلربا سے
غرض پھر اونہیں کیا رہی ماسوا[1] سے

نہ گالی سے دشنام سے جی چرائیں
جو میلوں میں جائیں تو لچپن دکھائیں
نہ جوتی سے بیزار ہیں ہچکچائیں
جو محفل میں بیٹھیں تو فتنے اوٹھائیں
لرزتے ہیں اوباش اونکی ہنسی سے
گریزاں ہیں رند اونکی ہمسائگی سے

سپوتوں[2] کو اپنے اگر بیاہ دیجے
جو بیٹی کے پیوند کی فکر کیجے
تو بہوؤں کا بوجھ ہی گردن پہ لیجے
تو بدراہ ہیں جابجے اور بھتیجے
یہی جھینکنا کو بکو گھر بگھر ہے
بہو کا ٹھکانا نہ بیٹی کو بر[3] ہے

نہ مطلب نگاری کا ان کو سلیقہ
نہ امیدواری کا ان کو سلیقہ
نہ درباداری کا ان کو سلیقہ
نہ خدمت گزاری کا ان کو سلیقہ
قلی یا نفر ہو تو کچھ کام آئے
مگر انکو کس مد میں کوئی کھپائے

نہیں ملتی روٹی جنہیں پیٹ بھر کے
جو ہیں انمیں دو چار آسودہ گھر کے
وہ گذران کرتے ہیں سو عیب کر کے
وہ دن رات خواہاں ہیں مرگ پدر کے
نمونے یہ اعیان و اشراف کے ہیں
سلف انکے وہ تھے خلف انکے یہ ہیں

[1] صوفیہ کی اصطلاح میں ذات باری تعالےٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ ماسوا ہے مگر اس جگہ طنزاً ماسوا سے معشوق مجازی سے مراد لیگئی ہے۔ [2] لائق اور رشید بیٹا۔ طنزاً نالائق بیٹے کو بھی کہتے ہیں۔
[3] بر۔ اوس لڑکے کو کہتے ہیں جس سے بیٹی کا ازدواج ہو سکے اور اوس کو بر نہیں ملتا یعنے اسکو ایسا لڑکا نہیں ملتا جس سے اوسکی شادی کی جاوے۔

وہ اسلام کی پود شاید یہی ہے — کہ جسکی طرف آنکھ سب کی لگی ہے

بہت جس سے آیندہ چشم بہی ہے — بقا منحصر جسپہ اسلام کی ہے

یہی جان ڈالینگی باغ کہن میں — اسی سے بہار آئیگی اس چمن میں

یہی ہیں وہ نسلیں مبارک ہماری — کہ بخشینگی جو دین کو استواری

کرینگی یہی قوم کی غمگساری — انھیں پر امیدیں ہیں موقوف ساری

یہی شمع اسلام روشن کرینگی — بڑوں کا یہی نام روشن کرینگی

خلف اونکے الحق اگر یاں یہی ہیں — سلف کے اگر فاتحہ خواں یہی ہیں

اگر یادگار عزیزاں یہی ہیں — اگر نسل اشراف و اعیاں یہی ہیں

تو یاد اسقدر اونکی رہجائیگی یاں — کہ اک قوم رہتی تھی اس نام کی یاں

سمجھتے ہیں شایستہ جو آپ کو یاں — ہیں آزادیِ رائے پر جو کہ نازاں

چلن پر ہیں بیجا جو قوم کے اپنی خنداں — مسلماں ہیں سب جنکے نزدیک ناداں

جو ڈھونڈھو گے یار اونکی ہمدرد اونہیں — تو نکلیں گے تھوڑے سے جوانمرد اونہیں

نہ رنج اونکے افلاس کا اونکو اصلا — نہ فکر اونکی تعلیم اور تربیت کا

نہ کوشش کی ہمت نہ دینے کو پیسا — اوڑانا مگر مفت اک اک کا خاکا

کہیں اونکی پوشاک پر طعن کرنا — کہیں اونکی خوراک پر نام دہرنا

عزیزوں کی جس بات میں عیب پانا — تماشا نیا اوس سے پھبتیوں کا بنانا

شماتت سے دل بھائیوں کا دکھانا — یگانوں کو بیگانہ بنکر چڑانا

نہ کچھ درد کی چوٹ اونکے جگر میں — نہ قطرہ کوئی خون کا چشم تر میں

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے
پڑا جس سے جوکھوں میں چھوٹا بڑا ہے
نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے
کوئی اونمیں سوتا کوئی جاگتا ہے
جو سوتے ہیں وہ مست خواب گراں ہیں
جو بیدار ہیں اونپہ خندہ زناں ہیں

کوئی اون سے پوچھے کہ اے ہوش والو!
کس امید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو!
برا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو
نہ چھوڑیگا سوتوں کو اور جاگتوں کو
بچوگے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبینگے سارے

غرض عیب کیجے بیاں اپنے کیا کیا
کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا
فقیہ اور جاہل ضعیف اور توانا
تاسف کے قابل ہے احوال سب کا
مریض ایسے مایوس دنیا میں ہیں کم
بگڑ کر کبھی جو نہ سنبھلیں وہ ہیں ہم

کسی نے یہ اک مرد دانا سے پوچھا
کہ نعمت ہے دنیا میں سب سے بڑی کیا
کہا "عقل جس سے ملے دین و دنیا"
کہا "گر نہو اوس سے انسان کو بہرا"
کہا "پھر اہم سب سے علم و ہنر ہے"
کہ جو باعث افتخار بشر ہے"

کہا "گر نہو اوسکو یہ بھی میسر"
کہا "مال و دولت ہے کچھ سب سے بڑھکر"
کہا "در ہو یہ بھی اگر بند اوسپر"
کہا "اوسپہ بجلی کا گرنا ہے بہتر
وہ ننگ بشر تا کہ ذلت سے چھوٹے
خلائق سب اوسکی نحوست سے چھوٹے"

مجھے ڈر ہے اے میرے ہم قوم یارو
مبادا کہ وہ ننگ عالم تمہیں ہو
گر اسلام کی کچھ حمیت ہے تمکو
تو جلدی سے اوٹھو اور اپنی خبر لو
وگرنہ یہ قول آئیگا راست تم پر
کہ "ہونے سے انکا نہونا ہے بہتر"

رہو گے یونہیں فارغ البال کب تک
نہ بدلو گے یہ چال اور ڈھال کب تک
رہیگی نئی پود[1] پامال کب تک
نہ چھوڑو گے تم بھیڑیا[2] چال کب تک
بس اگلے فسانے فراموش کر دو
تعصب کے شعلے کو خاموش کر دو

حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں
ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں
صدائیں یہ ہر سمت سے آ رہی ہیں
کہ راجا سے پرجا تلک سب سکھی ہیں
تسلط ہے ملکوں میں امن و اماں کا
نہیں بند رستہ کسی کارواں کا

نہ بد خواہ ہے دین و ایماں کا کوئی
نہ دشمن حدیث اور قرآں کا کوئی
نہ ناقص ہے ملت کے ارکاں کا کوئی
نہ مانع شریعت کے فرماں کا کوئی
نمازیں پڑھو بے خطر مسجدوں میں
اذانیں دو دھڑلے سے دو مسجدوں میں

کھلی ہیں سفر اور تجارت کی راہیں
نہیں بند صنعت کی حرفت کی راہیں
جو روشن ہیں تحصیل حکمت کی راہیں
تو ہموار ہیں کسب دولت کی راہیں
نہ گھر میں غنیم اور دشمن کا کھٹکا
نہ باہر ہے قزاق و رہزن کا کھٹکا

زمینوں کے کٹتے ہیں رستے پلوں میں
گھروں سے سوا چین ہے منزلوں میں
ہر اک گوشہ گلزار ہے جنگلوں میں
شب و روز ہے ایمنی قافلوں میں
سفر جو کبھی تھا نمونہ سقر کا
وسیلہ ہے اب وہ سراسر ظفر کا

[1] پود چھوٹے درخت اولاد نسل۔

[2] یعنی اوروں کی دیکھا دیکھی بے سمجھے بوجھے کوئی کام کرنا یہ لفظ بھیڑ چال بگڑ کر بھیڑیا چال ہو گیا ہے کیونکہ بھیڑوں کی عادت ہے کہ اگلی بھیڑ جس رستے پر پڑی پچھلی بھی اسی کے ساتھ ہو لیتی ہیں۔

پہونچتی ہیں ملکوں سے دم دم کی خبریں | چلی آتی ہیں شادی و غم کی خبریں
عیاں ہیں ہر اک بر اعظم کی خبریں | کھلی ہیں زمانہ پہ عالم کی خبریں
نہیں واقعہ کوئی پنہاں کہیں کا | ہے آئینہ احوال روئے زمیں کا

کرو قدر اس امن و آزادگی کی | کہ ہے صاف ہر سمت راہ ترقی
ہر اک راہرو کا زمانہ ہے ساتھی | یہ ہر سو سے آواز پیہم ہے آتی
کہ دشمن کا خطرہ نہ رہزن کا ڈر ہے | نکل جاؤ رستا ابھی بے خطر ہے

بہت قافلے دیر سے جا رہے ہیں | بہت بوجھ بار اپنے لدوا رہے ہیں
بہت چل چلاؤ میں گھبرا رہے ہیں | بہت سے نہ چلنے سے پچھتا رہے ہیں
مگر اک تمہیں ہو کہ سوتے ہو غافل | مبادا کہ غفلت میں کھوٹی ہو منزل

نہ بدخواہ سمجھو بس اب یاوروں کو | لٹیرے نہ ٹھہراؤ تم رہبروں کو
دو الزام پیچھے نصیحت گروں کو | ٹٹولو ذرا پہلے اپنے گھروں کو
کہ خالی ہیں یا پُر ذخیرے تمہارے | بُرے ہیں کہ اچھے وتیرے تمہارے

امیروں کی تم سن چکے داستاں سب | چلن ہو چکے عالموں کے بیاں سب
شریفوں کی حالت ہے تم پر عیاں سب | بگڑنے کو تیار بیٹھے ہیں یاں سب
یہ بوسیدہ گھر اب گرا کہ گرا ہے | ستوں مرکز ثقل سے ہٹ چکا ہے

یہ جو کچھ ہوا ایک شمہ ہے اوسکا | کہ جو وقت یاروں پہ ہے آنیوالا
زمانہ نے اونچے سے جس کو گرایا | وہ آخر کو مٹی میں ملکر رہے گا
نہیں گرچہ کچھ قوم میں حال باقی | ابھی اور ہونا ہے پامال باقی

یہاں ہر ترقی کی غائیت یہی ہے
سدا اسے زمانہ کی عادت یہی ہے
سرانجام ہر قوم و ملت یہی ہے
طلسم جہاں کی حقیقت یہی ہے
بہت یاں ہوئے خشک چشمے ابل کر
بہت باغ چھانٹے گئے پھول پھلکر

کہاں ہیں وہ اہرام مصری کے بانی
گئے پیشدادی کدہر اور کیانی
کہاں ہیں وہ گردان زابلستانی
مٹا کر رہی سبکو دنیائے فانی
لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں ہمکو ساسانیوں کا

وہی ایک ہے جس کو دائم بقا ہے
سوا اُسکے انجام سب کا فنا ہے
جہاں کی وراثت اسیکو سزا ہے
نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے
مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب
غلام اور آزاد ہیں رفتنی سب

سلہ قاعدہ ہے کہ صاحب باغ بعض وہ درخت جنمیں پھل یا پھول آچکتا ہے جیسے درخت بیر- کیلہ-
کھجور- گلاب چنبیلی مہندی وغیرہ اور نیز وہ ٹہنیاں یہی درخت کی جو خشک ہوجاتی ہیں اُنہیں چھانٹکے باغ کو
صاف ستھرا کردیتا ہے-

۲ اہرام مصری مصر کے مثلث نما چوپہل مینار ہیں جو دریائے نیل سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں اونمیں سے ایک مینار
دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے ان سے زیادہ کوئی قدیم عمارات شاید دنیا میں موجود نہیں-

۳ گردان زابلستانی سے مرد رستم کا خاندان ہے-

۴ فارس کے گیارہ بادشاہ جو کیومرث کی اولاد میں ہوئے ہیں پیشدادی کہلاتے ہیں-

۵ کیانی بادشاہوں سے کیقباد کیکاؤس کیخسرو کے- لہراسپ مراد ہیں-

۶ کارانی کیلڈیا یعنی خالدیہ بابل والے-

۷ بہمن بن اسفندیار کی اولاد میں جسقدر بادشاہ ہوئے ہیں اونکا ساسان لقب ہے انہیں کو
ساسانی بادشاہ کہتے ہیں-

دوسرا دیباچہ

سنہ ۱۳۰۲ھ
۱۸۸۶ء

حدیثِ درد دلاویز داستانے ہست
کہ ذوق بیش دہد چوں دراز تر گردد

مسدس مدو جزر اسلام اول ہی اول ۱۲۹۶ ہجری میں چھپکر شایع ہوا تھا اگرچہ اس نظم کی اشاعت سے شاید کوئی معتدبہ فایدہ سوسائٹی کو نہیں پہونچا۔ مگر چھ برس میں جسقدر قبولیت یا شہرت اس نظم کو اطراف ہندوستان میں ہوئی وہ فی الواقع تعجب انگیز ہے۔ نظم بالکل غیر مانوس تھی اور مضمون اکثر طعن و ملامت پر مشتمل تھے قوم کی خرابیاں چن چن کر ظاہر کی گئی تھیں اور زبان سے تیغ و سنان کا کام لیا گیا تھا۔ ناظم کی نسبت قوم کے اکثر ابرار و اخیار مذہبی سوءظن رکھتے تھے تعصب عموماً کلمۂ حق سننے سے مانع تھا بایں ہمہ اس تھوڑی سی مدت میں یہ نظم ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل گئی ہندوستان کے مختلف اضلاع میں اوس کے آٹھ سات ایڈیشن اب سے پہلے چھپ چکے ہیں بعض قومی مدرسوں میں اس کا انتخاب بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ مولود شریف کی مجلسوں میں جا بجا اُس کے بند پڑھے جاتے ہیں۔ اکثر لوگ اُس کو پڑھکر بے اختیار روتے اور آنسو بہاتے ہیں۔ اوس کے بہت سے

بند ہمارے واعظوں کی زبان پر جاری ہیں۔ کہیں کہیں قومی ناٹک میں اُسکے مضامین ایکٹ کئے جاتے ہیں۔ بہت سے مسدس اُسی کی روش پر اسی بحر میں ترتیب دیئے گئے ہیں شمالی مغربی اضلاع کے سرکاری مدارس میں عام قبولیت کی وجہ سے اسکو تعلیم میں داخل کرلیا گیا ہے۔ یہہ اور اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نے اِس کی طرف کافی توجہ کی ہے مگر مصنف کو کچھہ فخر کرنے کا محل نہیں ہے۔ اگر قوم کے دل میں متاثر ہونے کا مادہ نہوتا تو یہ اور ایسی ایسی ہزار نظمیں بیکار تھیں۔ پس مصنف کو اگر فخر ہے تو صرف اس بات پر ہے کہ اُسنے زمین شور میں تخم ریزی نہیں کی اور پتھر میں جونک لگانی نہیں چاہی۔ اُس نے ایک ایسی جماعت کو مخاطب گردانا ہے جو بے راہ ہے پر گمراہ نہیں ہے وہ رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں مگر رستے کی تلاش میں چپ و راست نگران ہیں اُن کے ہنر مفقود ہوگئے ہیں مگر قابلیت موجود ہے۔ اُن کی صورت بدل گئی ہے مگر ہیولی باقی ہے اُن کے قوے مضمحل ہوگئے ہیں مگر زائل نہیں ہوئے اونکے جوہر مٹ گئے ہیں مگر جلا سے پھر نمودار ہوسکتے ہیں اونکے عیبوں میں خوبیاں بھی ہیں مگر چھپی ہوئی۔ اُنکے خاکستر میں چنگاریاں بھی ہیں۔ مگر دبی ہوئی۔

یہ نظم جس میں قوم کی گذشتہ اور موجودہ حالت کا صحیح صحیح نقشہ

کھینچنا مد نظر تھا اگرچہ مشرق کی عام نظموں کی نسبت مبالغہ سے
خالی تھی۔ لیکن فروگذاشت سے خالی نہ تھی دوست کی نگاہ نکتہ چینی
اور خردہ گیری میں وہی کام کرتی ہے جو دشمن کی نگاہ کرتی ہے دونوں
یکساں عیبوں پر خردہ گیری اور خوبیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں مگر دشمن
اس غرض سے کہ عیب ظاہر ہوں اور خوبیاں مخفی رہیں اور دوست اس خوف
سے کہ مبادا خوبیوں کا غرور عیبوں کی اصلاح سے باز رکھے مصنف
بھی جو کہ دوستی کا دم بھرتا ہے شاید محبت اور دلسوزی ہی سے قوم کی
عیب جوئی پر مجبور ہوا اور ہنر گستری سے معذور رہا مگر یہ اسلوب
جسقدر غیرت دلانیوالا تھا اُسیقدر مایوس کرنے والا بھی تھا مصنف
کے دل کی آگ بھڑک کر بجھ گئی تھی اور اوس کی افسردگی الفاظ میں
سرایت کر گئی تھی نظم کا خاتمہ ایسے دلشکن اشعار پر ہوا جنسے تمام
امیدیں منقطع ہو گئیں اور تمام کوششیں رائگان نظر آنے لگیں شاید
اس خرابی کا تدارک کچھ نہو سکتا اگر قوم کی توجہ مصنف کے دل میں
ایک نئی تحریک پیدا نہ کرتی اور قوم کو ایک نئے خطاب کا مستحق نہ ٹھہراتی۔
گو قوم نہیں بدلی مگر اُس کے تیور بدلتے جاتے ہیں پس اگر تحسین
کا وقت نہیں آیا تو نفریں ضرور کم ہونی چاہیئے بعض احباب کی
تحریک نے ان خیالات کی تائید کی اور ایک ضمیمہ مقتضائے حال
کے موافق اصل مسدس کے آخر میں لاحق کیا گیا ضمیمہ کو طول دینا

مصنف کا مقصود نہ تھا مگر اس مضمون کو چھیڑ کر طول سے بچنا ایسا ہی
مشکل تھا جیسے سمندر میں کود کر ہاتھ پاؤں نہ مارنا۔ قدیم مسدس میں
بھی جستہ جستہ تصرف کیا گیا ہے شاید بعض تصرفات کو ناظرین اس وجہ
سے کہ قدیم اسلوب مانوس ہو گیا تھا پسند نہ کریں مگر مصنف کا فرض
تھا کہ دوستوں کی ضیافت میں کوئی ایسی چیز پیش نہ کرے
جو خود اُس کے مذاق میں ناگوار معلوم ہو۔ نظم
نہ پہلے پسند کے قابل تھی اور نہ اب ہے
مگر الحمد للہ کہ درد اور سچ

پہلے بھی تھا اور

اب بھی ہے۔ امید ہے کہ درد
پھیلیگا اور سچ چمکیگا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

(حالی)

ضمیمہ

بس اے ناامیدی نہ یوں دل بجھا تو — جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تو
ذرا ناامیدوں کی ڈھارس بندھا تو — فسردہ دلوں کے دل آخر بڑھا تو
ترے دم سے مردوں میں جانیں پڑی ہیں — جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں

سفینہ پئے نوح طوفاں میں تو تھی — سکوں بخش یعقوبؑ کنعاں میں تو تھی
زلیخا کی غمخوار ہجراں میں تو تھی — دل آرام یوسفؑ کی زنداں میں تو تھی
مصائب نے جب آن کر انکو گھیرا — سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا

بہت ڈوبتوں کو ترایا ہے تو نے — بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تو نے
اکھڑتے دلوں کو جمایا ہے تو نے — اجڑتے گھروں کو بسایا ہے تو نے
بہت تو نے پستوں کو بالا کیا ہے — اندھیرے میں اکثر اجالا کیا ہے

قوی تجھ سے ہمت ہے پیر و جواں کی — بندھی تجھ سے ڈھارس ہے خورد و کلاں کی
تجھی پر ہے بنیاد نظمِ جہاں کی — نہ ہو تو تو رونق نہ ہو اس دکاں کی
لگا لو ہے ہر مرحلے میں تجھی سے — رواں رو ہے ہر قافلے میں تجھی سے

کسانوں سے کلّر میں تو ہے بُواتی — جہازوں کو گرداب میں ہے کھواتی
سکندر کو دارا پہ ہے تو چڑھاتی — فریدوں کو ضحاکؔ[1] سے ہے لڑاتی
چلے سب جدھر تو نے باگ عنانکی — نظر تیری سیٹی پہ ہے کاروانکی

[1] ضحاک قدیم ایران کا ایک مشہور ظالم اور زبردست بادشاہ ہے جو جمشید کے بعد فرمانروا ہوا اور فریدوں نے باوجود بے سروسامانی کے کاوہ آہنگر کی حمایت سے مغلوب اور ہلاک کیا اور خود اسکی جگہ فرمانروا ہوا۔

...وازا بہت بینواؤں کو تونے — تو انگر بنایا گداؤں کو تونے
...یا دسترس نارساؤں کو تونے — کیا بادشہ ناخداؤں کو تونے
سکندر کو شانِ کئی تونے بخشی — کلمبس کو دنیا نئی تونے بخشی

...ہ رہرو نہیں رکھتے جو کوئی ساماں — جو زر و زاد سے جنکا خالی ہے داماں
نہ ساتھی کوئی جس سے منزل ہو آساں — نہ محرم کوئی جو سنے دردِ پنہاں
ترے بل پہ خوش خوش ہیں اسطرح جاتے — کہ جا کر خزانہ ہیں اب کوئی پاتے

...ہیں جوتنے کو جب اٹھتا ہے جوتا — سمیں کا گماں تک نہیں جبکہ ہوتا
شب و روز محنت میں ہے جان کھوتا — مہینوں نہیں پاؤں پھیلا کے سوتا
اگر موج زن اسکے دل میں نہ تو ہو — تو دنیا میں غل بھوک کا چار سو ہو

...بے اس سے بھی گر سوا اپنے دم پر — بلاؤں کا ہو سامنا ہر قدم پر
پہاڑ اک فزوں اور ہو کوہِ غم پر — گذرنی ہو جو کچھ گذر جائے ہم پر
نہیں فکر تو دل بڑھاتی ہے جبتک — دماغوں میں بو تیری آتی ہے جبتک

۱ لفظ کئی منسوب ہے کئی سے جسکے معنی زبان فارسی میں شاہنشاہ کے ہیں اور ملوک عجم کے دوسرے
طبقہ کو چاروں بادشاہ کئے کہلاتے ہیں جنکے نام یہ ہیں - کیقباد - کیکاؤس - کیخسرو - لہراسپ
...ہیں کی جمع کیان اور یائے نسبت کے ساتھ کیانی ہے پس کئی وہ چیز ہے جو کیانیوں کی طرف منسوب ہو
جیسے تاج کئی اور شان کئی -

۲ کلمبس اٹلی کا رہنے والا اور فنِ جہاز رانی میں ہوشیار تھا - اسی نے ملکہ ازبیلا والیہ اسپین کی امداد
سے ۱۴۹۲ء میں برِ اعظم امریکا کو تلاش کرکے قدیمی دنیا پر ظاہر کیا -

۳ جوتا - بواو مجہول جوتنے والا یعنی کاشتکار -

۴ سمین اپنے موسم کا عمدہ حالت میں نظر آنا -

یہ سچ ہے کہ حالت ہماری زبوں ہے
جہالت وہی قوم کی رہنموں ہے
عزیزوں کی غفلت وہی جوں کی توں ہے
تعصب کی گردن پہ ملت کا خوں ہے
مگر اے امید اک سہارا ہے تیرا
کہ جلوہ یہ دنیا میں سارا ہے تیرا

نہیں قوم میں گرچہ کچھ جان باقی
نہ وہ جاہ و حشمت کے سامان باقی
نہ اون میں وہ اسلام کی شان باقی
پر اس حال میں بھی ہے اک آن باقی
بگڑنے کا گو اونکے وقت آگیا ہے
مگر اس بگڑنے میں بھی اک ادا ہے

بہت ہیں ابھی جنمیں غیرت ہے باقی
فقیری میں بھی بوئے ثروت ہے باقی
دلیری نہیں پر حمیت ہے باقی
تہیدست ہیں پر مروت ہے باقی
مٹے پر بھی پندار ہستی وہی ہے
مکان گرم ہے آگ گو بجھ گئی ہے

سمجھتے ہیں عزت کو دولت سے بہتر
گلیم قناعت کو ثروت سے بہتر
فقیری کو ذلت کی شہرت سے بہتر
انھیں موت ہے بار منت سے بہتر
سر انکا نہیں دربدر جھکنے والا
وہ خود پست ہیں پر نگاہیں ہیں بالا

مشابہ ہے قوم اس مریض جواں سے
نہ بستر سے حرکت نہ جنبش مکاں سے
گیا ضعف نے جسکو مایوس جاں سے
اجل کے ہیں آثار جسپر عیاں سے
نظر آتے ہیں سب مرض جسکو مزمن
نہیں کوئی مہلک مرض اسکو لیکن

بجا ہیں حواس اسکے اور ہوش قایم
دماغ اور دل چشم اور گوش قایم
طبیعت میں میل خور و نوش قایم
جوانی کا پندار اور جوش قایم
کرے کوئی اسکی اگر غور کامل
عجب کیا جو ہو جائے زندوں میں شامل

عیاں سب پہ احوال بیمار کا ہے
موافق دوا ہے نہ کوئی غذا ہے
کہ تیل اس میں جو کچھ تھا سب جل چکا ہے
ہزالِ بدن ہے زوالِ قویٰ ہے
مگر ہے ابھی یہ دیا ٹمٹماتا
بجھا جو کہ ہے یاں نظر سب کو آتا

یہ سچ ہے کہ ہے قوم میں قحطِ انساں
سفال و خزف کے ہیں انبار گویاں
نہیں قوم کے پر سب افراد یکساں
جواہر کے ٹکڑے بھی ہیں اس میں پنہاں
چھپے سنگریزوں میں گوہر بھی ہیں کچھ
ملے ریت میں ریزۂ زر بھی ہیں کچھ

جو بے غم ہیں ان میں تو غمخوار بھی ہیں
انھیں غافلوں میں خبردار بھی ہیں
جو بے مہر ہیں کچھ تو کچھ یار بھی ہیں
خرابات میں چند ہشیار بھی ہیں
جماعت میں اپنی نرالے بھی ہیں یاں
نکموں میں کچھ کام والے بھی ہیں یاں

جو چاہیں پلٹ دیں ابھی سب کی کایا
اکیلوں نے ہے قافلوں کو بچایا
کہ ایک ایک نے ملک کو یاں جگایا
جہازوں کو ہے زورقوں نے ترایا
یونہیں کام دنیا کا چلتا رہا ہے
دیئے سے دیا یونہیں جلتا رہا ہے

یہ سچ ہے کہ ہیں بیشتر ہم میں ناداں
جہاں میں ہیں جو اپنی عزت کے خواہاں
نہیں جن کے دردِ تعصب کا درماں
انھیں سے وہ رہتے ہیں دست و گریباں
پہ ایسے بھی کچھ ہوتے جاتے ہیں پیدا
کہ جو خیر خواہوں پہ ہیں اپنے شیدا

کوئی خیر خواہی میں ہے ہمسر ان کا
کوئی ہے زباں سے ستائش گر ان کا
کوئی دست و بازو ہے یاور ان کا
بہت رکھتے ہیں نقش حب دل پر ان کا
بہت ان کے گن سنتے ہیں چپکے چپکے
بہت سن کے سر دھنتے ہیں چپکے چپکے

بہت دن سے دریا کا پانی کھڑا تھا
تموج کا جسمیں نہ ہرگز پتا تھا
تغیر سے یہ حال اوسکا ہوا تھا
کہ بگڑی وہ تھی بو تو کڑوا مزا تھا
ہوئی تھی یہ پانی سے زائل روانی
کہ مشکل سے کہہ سکتے تھے اسکو پانی

پر اب اوس میں رو کچھ کچھ آنے لگی ہے
کناروں کو اُسکے ہلانے لگی ہے
ہوا بلبلے کچھ اٹھانے لگی ہے
عفونت وہ پانی سے جانے لگی ہے
اگر ہو نہ یہ انقلاب اتفاقی
تو دریا میں بس اک تموج ہو باقی

حوادث نے اونکو ڈرایا ہے کچھ کچھ
مصائب نے نیچا دکھایا ہے کچھ کچھ
ضرورت نے رستہ دکھایا ہے کچھ کچھ
زمانے کے غل نے جگایا ہے کچھ کچھ
ذرا دست و بازو ہلانے لگے ہیں
وہ سوتے میں کچھ کلبلانے لگے ہیں

رہ راست پر ہیں وہ کچھ آتے جاتے
تعلّی سے ہیں اپنی شرماتے جاتے
تفاخر سے ہیں اپنے پچتاتے جاتے
سراغ اپنا کچھ کچھ ہیں وہ پاتے جاتے
بزرگی کے دعووں سے پھرنے لگے ہیں
وہ خود اپنی نظروں [illegible] رنے لگے ہیں

نہیں گھاٹ پر گو ترقی کے آتے
نئی بات [illegible] ناک بھوں ہیں چڑھاتے
نئی روشنی سے ہیں آنکھیں چراتے
مگر [illegible] ساتھ ہی یہ بھی ہیں کہتے جاتے
کہ دنیا نہیں گرچہ رہنے کے قابل
پر اس طرح دنیا میں رہنا ہے مشکل

تنزل پہ وہ ہاتھ ملنے لگے ہیں
کچھ اس سوز سے جی پگھلنے لگے ہیں
دھوئیں کچھ دلوں سے نکلنے لگے
کچھ آرے سے سینوں پہ چلنے لگے ہیں
وہ غفلت کی رت [illegible] دنیا [illegible] زیست کو ہیں اب
نشے جو چڑھے تھے اوترنے کو ہیں اب

نہیں گرچہ کچھ درد اسلام ان کو — نہ بہبودئ قوم سے کام ان کو
نہ کچھ فکر آغاز و انجام ان کو — برابر ہے ہو صبح یا شام ان کو
مگر قوم کی کوئی سنکے مصیبت — انھیں کچھ نہ کچھ آہی جاتی ہے رقت

خصومت سے ہیں اپنی گو خواریاں سب — نزاعوں سے باہم کی ہیں ناتواں سب
خود آپس کی چوٹوں سے ہیں خستہ جاں سب — یہ ہیں متفق اس پہ پیر و جواں سب
کہ نا اتفاقی نے کھویا ہے ہم کو — اسی تیز رو مد نے ڈبویا ہے ہم کو

یہ مانا کہ کم ہم میں ہیں ایسے دانا — جنہوں نے حقیقت کو ہے اپنی پہچانا
تنزل کو ہے ٹھیک ٹھیک اپنے جانا — کہ ہم ہیں کہاں اور کہاں ہے زمانا
یہ اتنا زباں پہ ہے سب کے جاری — کہ حالت بری آجکل ہے ہماری

فرائض میں گو دین کے سب ہیں قاصر — نہ مشغول باطن نہ پابند ظاہر
مساجد سے غائب ملاہی میں حاضر — مگر ایسے فاسق ہیں ان میں نہ فاجر
کہ مذہب پہ حملے ہیں جو ہر طرف سے — وہ دیکھیں اونکو سٹھیائیں راہ سلف سے

خود اپنی ہے گو قدر و قیمت گنوائی — یہ سمجھے نہیں ہیں بڑوں کی بڑائی
جو آپ ان کی خوبی نہیں کوئی پائی — تو ہیں خوبیوں پر انہیں کی فدائی
شرف گو کہ باقی نہیں ان میں اب کچھ — مگر خواب میں دیکھ لیتے ہیں سب کچھ

ذرا پھر کے پیچھے وہ جب دیکھتے ہیں — وہ اپنا حسب اور نسب دیکھتے ہیں
بزرگوں کا علم و ادب دیکھتے ہیں — سرافرازئ جد و اب دیکھتے ہیں
تو ہیں فخر سے وہ کبھی سر اٹھاتے — کبھی ہیں ندامت سے گردن جھکاتے

اگر کچھ بھی باقی ہو یاروں میں ہمت
شگون سعادت ہے اور فالِ دولت
تو اونکا یہی افتخار اور ندامت
کہ آتی ہے کچھ اس سے بوئے حمیت
وہ کھو بیٹھے آخر کمائی بڑوں کی
بھلا دی جنہوں نے بڑائی بڑوں کی

اسیری میں ہیں جو گرم فریاد ہیں یاں
قفس سے وہی ہوتے آزاد ہیں یاں
وہی آشیاں کرتے آباد ہیں یاں
چمن کے جنہیں چہچہے یاد ہیں یاں
وہ شائد قفس ہی میں عمر اپنی گنوائیں
گئیں بھول صحرا کی جنکو فضائیں

بلندی میں ہوں یا کہ پستی میں ہوں ہم
محقر زمانے میں ہوں یا مکرم
قوی ہوں کہ کمزور افزوں ہوں یا کم
مؤخر ہوں اس بزم میں یا مقدم
عبا میں ہوں پوشیدہ یا شال میں ہوں
کسی رنگ میں ہوں کسی حال میں ہوں

اگر باخبر ہیں حقیقت سے اپنی
بلندی و پستی کی نسبت سے اپنی
تلف کی ہوئی اگلی عظمت سے اپنی
گذشتہ اور آئندہ حالت سے اپنی
تو سمجھو کہ ہے پار کھیوا ہمارا
نہیں دور منجدھار سے کچھ کنارا

الپ ارسلاں[۱] سے یہ طغرل[۲] نے پوچھا
نشاں اونکی اقبالمندی کے ہیں کیا
کہ قومیں ہیں دنیا میں جو جلوہ فرما
کب اقبالمند اُن کو کہنا ہے زیبا
کہا ملک و دولت ہو ہاتھ اُنکے جب تک
جہاں ہو کمر بستہ ساتھ اونکے جبتک

۱ یہ سلجوقیوں کے سلسلہ کا دوسرا بادشاہ ہے اسکے باپ کا نام بیگ اور چچا کا نام طغرل بیگ تھا طغرل بیگ نے اپنی زندگی میں اسکو ولیعہد مقرر کر دیا چنانچہ طغرل کے بعد یہ اُسکا جانشین ہوا۔
۲ طغرل سلجوقیوں کے سلسلہ کا پہلا بادشاہ الپ ارسلاں کا چچا اور سلجوق کا پوتا جو ۴۲۹ھ میں تخت نشین ہوا۔

جہاں جائیں وہ سرخرو ہو کے آئیں
ظفر ہمعناں ہو جدھر باگ اُٹھائیں
نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں
نہ اکھڑیں قدم جس جگہ وہ جمائیں
اگر مس کو مس کریں تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہاتھ ڈالیں طلا ہو

ولیعہد کی جبکہ باتیں سُنیں یہ
ہنسا سُنکے فرزانۂ دوربیں یہ
کہا "جانِ عم گپ ہے گو دلنشیں یہ
مگر شرطِ اقبال ہرگز نہیں یہ
حوادث سے ہے بن گذارا نہیں یاں
بلندی و پستی سے چارا نہیں یاں

بہم ہے کبھی گاہ برہم ہے محفل
کٹھن ہے کبھی گاہ آساں ہے منزل
زمانہ کی گردش سے بچنا ہے مشکل
نہ محفوظ ہیں اس سے مُدبر نہ مقبل
بہت یکہ تازوں کو یاں گھرتے دیکھا
سدا شہسواروں کو یاں گرتے دیکھا

جہاں سود ہے یاں وہیں ہے زیاں بھی
جہاں روشنی ہے وہیں ہے دُھواں بھی
سقر بھی ہے یہ خاکداں اور جناں بھی
بہاریں بھی ہیں اس چمن میں خزاں بھی
نکھرتے ہیں جو یاں وہ گدلائے بھی ہیں یاں
چمکتے ہیں جو یاں وہ گہنائے بھی ہیں یاں

ضعیف اور قوی ارمنی اور عراقی
چکھاتا ہے دورِ قدح سبکو ساقی
یہ اقبال کی ہے رمق جن میں باقی
یہ سب تلخیاں اُن کی ہیں اتفاقی
بلائیں نہیں گھیر کر ٹلجاتی ہیں وہ
ذرا ڈگمگا کر سنبھل جاتے ہیں وہ

نہیں ہوتے نیرنگ گردوں سے حیراں
ہر اک درد کا ڈھونڈھ لیتے ہیں درماں
اُٹھاتے نہیں کچھ حوادث سے نقصاں
وہ چونک اُٹھتے ہیں دیکھ کے خواب پریشاں
بھڑکتے ہیں افسردہ ہو کر سوا وہ
پھپکتے ہیں پژمردہ ہو کر سوا وہ

پگھلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر
لگاتے ہیں غوطہ اچھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں دم لے کے چلنے کی خاطر
وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر
سبب کو مرض کے سمجھتے ہیں پہلے
الجھتے ہیں پیچھے سلجھتے ہیں پہلے

ضرورت نہیں یہ کہ فرمانروا ہوں
رعیت ہوں وہ خواہ کشور کشا ہوں
سپاہی ہوں تاجر ہوں یا ناخدا ہوں
وہ کچھ ہوں پہ اپنے سے واقف ذرا ہوں
کہ ہم کیا ہیں اور کون ہیں اور کہاں ہیں
گھٹے یا بڑھے ہیں سبک یا گراں ہیں

جب آئی انہیں ہوش کچھ وقت کھو کر
رہیں بیٹھے قسمت کو اپنی نہ رو کر
کریں کوششیں سب بہم ایک ہو کر
رہیں داغ ذلت کا دامن سے دھو کر
نہ ہو تاب پرواز گر آسماں تک
تو واں تک اڑیں ہو رسائی جہاں تک

پڑا ہے وہی وقت اب ہم پہ آکر
کہ اٹھتے ہیں سوتے بہت دن چڑھا کر
سواروں نے کی راہ طے باگ اٹھا کر
گئے قافلے ٹھہر منزل پہ جا کر
اگر افتاں و خیزاں سدا ہر چلے ہم
تو پہونچے بھلا جا کے منزل پہ کب ہم

مگر بیٹھ رہنے سے چلنا ہے بہتر
کہ ہے اہل ہمت کا اللہ یاور
جو ٹھنڈک میں چلنا نہ آیا میسر
تو پہونچیں گے ہم دھوپ کھا کھا کے سر پر
یہ تکلیف و راحت ہے سب اتفاقی
چلو اب بھی ہے وقت چلنے کا باقی

ہوا کچھ وہی جس نے یاں کچھ کیا ہے
لیا جس نے پھل بیج بو کر لیا ہے
کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے
مثل[1] ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے
یونہیں وقت سو سو کے ہیں جو گنواتے
وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں[2] زک اٹھاتے

[1] بدیا - علم، ہنر، فضیلت۔ [2] امثال لقمان کی یہ کہانی مشہور ہے کہ کچھوے اور خرگوش نے ایک حد تک دوڑ لیکن شرط بدی تھی۔ خرگوش شرط بد کر بس خیال اور گھمنڈ میں سو رہا کہ جب چاہوں گا کچھوے سے آگے نکل جاؤں گا۔ مگر کچھوا جو کہ سست رفتار تھا برابر چلنے میں سرگرم رہا آخر وہ تو

یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری — جہاں دیکھیے فیض اسی کا ہے جاری
یہی ہے کلیدِ درِ قفلِ باری — اسی پر ہے موقوف عزت تمہاری
اسی سے ہے قوموں کی یاں آبرو سب — اسی پر ہیں مغرور میں اور تو سب

گلستاں میں جوبن گل و یاسمن کا — سماں زلفِ سنبل کی تاب و شکن کا
قدِ دلربا سرو و نارون کا — رخِ جاں فزا لالہ و نسترن کا
غریبوں کی محنت کی ہے رنگ و بو سب — کمیروں[1] کے خوں سے ہیں یہ تازہ رو سب

ہلاتے نہ اگلے اگر دست و بازو — جہاں عطرِ حکمت سے ہوتا نہ خوشبو
نہ اخلاق کی وضع ہوتی ترازو[2] — نہ حق پھیلتا ربع مسکوں میں ہر سو
حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے — خدائی کے اسرار مکتوم[3] رہتے

ستارہ شریعت کا تاباں نہ ہوتا — اثر علمِ دیں کا نمایاں نہ ہوتا
جدا کفر سے نورِ ایماں نہ ہوتا — مساجد میں یوں وردِ قرآں نہ ہوتا
خدا کی ثنا معبدوں میں نہ ہوتی — اذاں جا بجا مسجدوں میں نہ ہوتی

---

[1] کمیرا اس مزدور کو کہتے ہیں جو باغبان کے تحت میں کام کرتا ہے۔

[2] ترازو کا وضع ہونا اسکا بپا اور قایم ہونا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے " وَوَضَعَ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ"۔ مقصود یہ ہے کہ اگر علماء کوشش نہ کرتے اور علم اخلاق اور سلوک مدون نہ ہوتا تو برے اور اچھے اخلاق کی تمیز نہ ہوتی۔

[3] مکتوم بمعنے پوشیدہ۔

نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا — کہ ارکان دیں بھی اسی پر ہیں برپا
جنہیں ہو نہ دنیائے فانی کی پروا — کریں آخرت کا ہی وہ کاش سودا
نہیں ملتے دنیا کی خاطر اگر تم — تو لو دین حق کی ہی ادھر کر خبر تم

بنی نوع میں دو طرح کے ہیں انساں — تفاوت ہے حالتمیں جنکی نمایاں
کچھ ان میں ہیں ہر راحت طلب و تن آساں — بدن[۱] کے نگہبان بستر کے درباں
نہ محنت پہ مائل نہ قدرت کے قائل[۲] — سمجھتے ہیں تنکے کو رستہ میں حائل

اگر ہیں تونگر تو پیسے کا ہیں سب — اپاہج[۳] ہیں روگی ہیں بیمار ہیں سب
تعیش کے ہاتھوں نے لاچار ہیں سب — تن آسانیوں میں گرفتار ہیں سب
برابر ہے یاں اونکا ہونا نہ ہونا — نہ کچھ جاگنا اونکا بہتر نہ سونا

اگر ہیں تہیدست اور بے نوا وہ — تو محنت سے ہیں جی چراتے سدا وہ
نصیبوں کا کرتے ہیں اکثر گلا وہ — ہلاتے نہیں کچھ مگر دست و پا وہ
اگر بھیک ملجائے قسمت سے اونکو — تو سو بار بہتر ہے محنت سے انکو

۱ یعنے ہر وقت بدن کی حفاظت اور خود آرائی میں مصروف رہتے ہیں یا نرم بچھونوں میں پڑے اینڈتے ہیں۔ گویا بستر کے دربان ہیں۔

۲ یعنے نہ محنت کرتے ہیں نہ اس بات کے قائل ہیں کہ کوشش سے خدائے تعالیٰ اون کو اونکے مقاصد پر کامیاب کر سکتا ہے۔

۳ اپاہج جسکے ہاتھ پاؤں بیکار ہوں۔ روگی۔ روگ والا یعنے مریض۔

نہ جو بے نوا ہیں نہ ہیں کچھ تونگر
کہ کھانے کو محتاج ہے پیٹ بھر کر
وہ ہیں ڈھور کیطرح قانع اسی پر
نہیں بڑھتے بس اس سے آگے قدم بھر
ہوئے زیور آدمیت سے عاری
معطل ہوئیں قوتیں انکی ساری

نہ ہمت، کہ محنت کی سختی اٹھائیں
نہ غیرت، کہ ذلت سے پہلو بچائیں
نہ جرأت، کہ خطروں کے میدان میں جائیں
نہ عبرت، کہ دنیا کی سمجھیں ادائیں
نہ کل فکر تھا یہ کہ ہے اسکا پھل کیا
نہ ہے آج پروا کہ ہونا ہے کل کیا

نہیں کرتے کھیتی میں وہ جانفشانی
پہ جب یاس کرتی ہے دل پر گرانی
نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی
تو کہتے ہیں حق کی ہے نامہربانی
نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

کبھی کہتے ہیں "ہیچ سب ہیں یہ ساماں
دھرے سب یہ رہجائیں گے کاخ و ایواں
کہ خود زندگی ہے کوئی دن کی مہماں
نہ باقی رہے گی حکومت نہ فرماں
ترقی اگر ہم نے کی بھی تو پھر کیا
یہ بازی اگر جیت لی بھی تو پھر کیا"

یہ سرگرم کوشش میں جو روز و شب ہیں
ترقی کے میدان میں سبقت طلب ہیں
اٹھاتے سدا بار رنج و تعب ہیں
نمایش پہ دنیا کی بھولے یہ سب ہیں
نہیں انکو کچھ اپنی محنت سے لہنا
بناتے ہیں وہ گھر نہیں جسمیں رہنا

کبھی کرتے ہیں عقل انساں پہ نفریں
وہ تدبیریں اسطرح کرتی ہے تلقیں
کہ با وصف کوتاہ بینی ہے خود بیں
کہ گویا کھلا آئنہ ہے سر تکویں
مگر سب خیالات ہیں خام اسکے
ادھورے ہیں جتنے ہیں یاں کام اسکے

نہ اسبابِ راحت کی اسکو خبر کچھ
نہ عزت نہ ذلت کی اس کو خبر کچھ
نہ آثارِ دولت کی اس کو خبر کچھ
نہ کلفت نہ راحت کی اسکو خبر کچھ
نہ آگاہ اس سے کہ ہستی ہے شے کیا
نہ واقف کہ مقصودِ ہستی ہے کیا

کبھی کہتے ہیں زہر ہے مال و دولت
اسی سے گناہوں کی ہوتی ہے رغبت
اٹھاتے ہیں جسکے لئے رنج و محنت
اسی سے دماغوں میں آتی ہے نخوت
یہی حق سے کرتی ہے بندوں کو غافل
ہوئے ہیں عذاب اس سے قوموں پہ نازل

کبھی کہتے ہیں سعی و کوشش ہے حاصل
نہیں ہوتی کوشش سے تقدیر زائل
کہ مقسوم بن کوششیں سب ہیں باطل
برابر ہیں یاں محنتی اور کاہل
ہلانے سے ڈوری کی گر ڈور ملتی
تو روٹی[۱] نکموں کو ہرگز نہ ملتی

نکموں کے ہیں سب یہ دلکش ترانے
اسیطرح کے کر کے حیلے بہانے
سلانے کو قسمت کے رنگیں فسانے[۲]
نہیں چاہتے دست و بازو ہلانے
وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی
کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

۱؎ نکموں کے نزدیک روٹی کا ملجانا گویا ترقی کی حد ہے۔

۲؎ یعنی جس طرح قصہ خوان رنگین افسانے سُنا سُنا کر بادشاہوں اور امیروں کو خواب راحت میں لایا کرتے ہیں اسیطرح وہ لوگ جو کاہل اور نکمے ہیں دنیا کو فانی کہکر مال و دولت سے نفرت دکھا کر اور تقدیر کی آڑ لیکر تدبیر سے باز رہتے ہیں اور انکی اس طرح کی باتیں گویا اپنے بخت بیدار کو خفتہ کرنے کیلئے کہانیاں ہیں۔

سنی تم نے جس جماعت کی حالت
بگڑتی ہیں قومیں اسی کی بدولت
تنزل کی بنیاد ہے یہ جماعت
ہوا اسکی ہے مفسدِ ملک و ملت
کیا صور و صیدا کو برباد اسی نے
بگاڑا دمشق اور بغداد اسی نے

جہاں ہیں زمیں پر نحوست ہے انکی
مصیبت کا پیغام کثرت ہے انکی
جدھر ہے زمانے میں نکبت ہے انکی
تباہی کا لشکر جماعت ہے انکی
وجود انکا اصل البلیات ہے یاں
خدا کا غضب انکی بہتات ہے یاں

سب ایسے تن آسان و بیکار و کاہل
نہیں اپنے کچھ نوع انساں کو حاصل
تمدن کے حق میں ہیں زہر ہلاہل
نہیں انکی صحبت کہ ہے سمِ قاتل
یہ جب پھیلتے ہیں سمٹتی ہے دولت
یہ جوں جوں کہ بڑھتے ہیں گھٹتی ہے دولت

جہاں بڑھ گئی انکی تعداد حد سے
رہا اُس کو بہرہ نہ حق کی مدد سے
ہوئی قوم محسوب سب دام و دد سے
وہ اب بچ نہیں سکتی نکبت کی زد سے
بچو ایسے شوموں کی پرچھائیوں سے
ڈرو ایسے چپ چاپ یغمائیوں سے

۱؎ صور۔ بحیرۂ شام کے کنارے پر ملک شام کا ایک نہایت قدیمی شہر ہے کہتے ہیں کہ یونان کی اکثر علماء اسی شہر کے تھے مسلمانوں نے اسکو اور شہر عکہ کو ۶۳۶ ہجری میں فتح کیا تھا۔ اور اب مدت سے ویران ہے۔
۲؎ صیدا۔ دمشق سے ۲۶ میل بحیرۂ شام کے کنارے پر ایک مضبوط اور مستحکم شہر تھا جس میں متعدد قلعے تھے اور اب یہ بھی ویران ہے۔
۳؎ اصل البلیات بلا کی جمع ہے یعنی بلاؤں کی جڑ۔
۴؎ بہتات۔ کثرت افراط۔
۵؎ یغما لوٹ۔ اور یغمائی لٹیرا یعنی کاہل اور نکمے آدمی اگرچہ ظاہر میں ملک کو نہیں لوٹتے مگر چونکہ انکا اثر سوسائٹی پر برا پڑتا ہے، اسلئے انکو چپ چاپ یغمائی کہا گیا ہے گویا وہ چپکے ہی چپکے ملک کو تاراج کر رہے ہیں۔

مگر اک فریق اور انکے سوا ہے — شرف جس سے نوع بشر کو ملا ہے
سب اس بزم میں جنکا نور و ضیا ہے — سب اس باغ کی جنسے نشو و نما ہے
ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر — بنے ہیں زمانے کی خدمت کی خاطر

نہ راحت طلب ہیں نہ دولت طلب وہ — لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ
نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ — بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ
وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا — کماتے وہ اور کھاتی ہے دنیا

چنیں گر نہ وہ ہوں کھنڈر کاخ و ایواں — بنیں گر نہ وہ شاہ و کشور ہوں عریاں
جو بوئیں نہ وہ تو ہوں جاندار بے جاں — جو چھانٹیں نہ وہ تو ہوں جنگل گلستاں
یہ چلتی ہے گاڑی انہیں کے سہارے — جو وہ کل سے بیٹھیں تو بیکل ہوں سارے

کھپاتے ہیں کوشش میں تاب و تواں کو — گھلاتے ہیں محنت میں جسم و رواں کو
سمجھتے نہیں ہیں جان اپنی جاں کو — وہ مر مر کے رکھتے ہیں زندہ جہاں کو
بس اس طرح جینا عبادت ہے انکی — اور اس دھن میں مرنا شہادت ہے انکی

مشقت میں عمر انکی کٹتی ہے ساری — نہیں آتی آرام کی انکے باری
سدا بھاگ دوڑ انکی رہتی ہے جاری — نہ آندھی میں ہیں عاجز نہ مینہ میں ہیں عاری
نہ لو جیٹھ کی دم تڑاتی ہے انکا — نہ ٹھر ماگھ کی جی چھڑاتی ہے انکا

نہ احباب کی تیغ احساں سے گھائل — نہ بیٹے سے طالب نہ بھائی سے سائل
نہ دکھ درد میں سوئے آرام مائل — نہ دریا و کوہ انکے رستے میں حائل
سنے ہوں کبھی رستم و سام جیسے — غیور اب بھی لاکھوں ہیں گمنام ویسے

کسی کو یہ دُھن ہے کہ جو کچھ کمائیں
کھلائیں کچھ اوروں کو کچھ آپ کھائیں
کسی کو یہ کد ہے کہ جھیلیں بلائیں
پہ احساں کسی کا نہ ہرگز اُٹھائیں
کوئی محو ہے فکر فرزند و زن میں
کوئی چُور ہے حُبّ اہل وطن میں

جو مصروف ہے کشتکاری میں کوئی
تو مشغول دوکانداری میں کوئی
عزیزوں کی ہے غمگساری میں کوئی
ضعیفوں کی خدمتگذاری میں کوئی
یہ ہے اپنی راحت کے سامان کرتا
وہ کنبہ پہ ہے جان قربان کرتا

کوئی اس تگ و دو میں رہتا ہے ہردم
کہ دولت جہاں تک ہو کیجے فراہم
رہیں جیتے جی تاکہ خود شاد و خرم
مریں جب تو دل پر نہ لیجائیں یہ غم
کہ بعد اپنے کھائینگے فرزند و زن کیا
لباس انکا اور اپنا ہوگا کفن کیا

بہت دل میں اپنے یہ رکھتے ہیں ارماں
کہ کر جائیں یاں کوئی کار نمایاں
وہ ہوں تاکہ جب چشم عالم سے پنہاں
تو ذکر جمیل انکا باقی رہے یاں
یہی طالب شہرت و نام لاکھوں
بتاتے ہیں جمہور کے کام لاکھوں

بہت مخلص اور پاک بندے خدا کے
نشاں جنسے قائم ہیں صدق و صفا کے
نہ شہرت کے خواہاں نہ طالب ثنا کے
نمائش سے بیزار دشمن ریا کے
ریاضت سب انکی خدا کے لئے ہے
مشقت سب انکی قضا کے لئے ہے

کوئی انمیں ہے حق کی طاعت پہ مفتوں
کوئی نام حق کی اشاعت پہ مفتوں
کوئی زہد و صبر و قناعت پہ مفتوں
کوئی پند و وعظ جماعت پہ مفتوں
کوئی موج سے آپ کو ہے بچاتا
کوئی ناؤ ہے ڈوبتوں کی تراتا

بہت نوعِ انساں کے غمخوار و یاور
شدائد کے دریائے خوں میں شناور
ہوا خواہ ملت بہ اندیشۂ کشور
جہاں کی پر آشوب کشتی کے لنگر
ہر اک قوم کی ہست و بود ان سے ہے یاں
سب اس انجمن کی نمود ان سے ہے یاں

کسی پر ہو سختی صعوبت ہے انپر
کہیں ہو فلاکت مصیبت ہے انپر
کسی پر ہو غم رنج و کلفت ہے ان پر
کہیں آئے آفت قیامت ہے ان پر
کسی پر چلے تیر آماج یہ ہیں
لٹے کوئی رہگیر تاراج یہ ہیں

یہ ہیں حشر تک بات پر اڑنے والے
یہ فوجِ حوادث سے ہیں لڑنے والے
یہ پیماں کو مشکل سے ہیں جوڑنیوالے
یہ غیروں کی ہیں آگ میں پڑنیوالے
امنڈتا ہے رکنے سے اور انکا دریا
جنوں سے زیادہ ہے کچھ انکا سودا

جماتے ہیں جب پاؤں ہٹتے نہیں یہ
گئے پھیل جب پھر سمٹتے نہیں یہ
بڑھا کر قدم پھر پلٹتے نہیں یہ
جہاں بڑھ گئے بڑھ کے گھٹتے نہیں یہ
ہمہ تن کے سر ہیں نہیں بیٹھتے یہ
جب اٹھتے ہیں اٹھ کر نہیں بیٹھتے یہ

خدا نے عطا کی ہے جو ان کو قوت
نہیں پھیرتی انکا منہ کوئی حجت
سمائی ہے دلمیں بہت اسکی عظمت
نہیں کرتی زیر انکو کوئی صعوبت
بھروسہ ہے اپنے دل و دست پا کے
سمجھتے ہیں سپاہ اپنے لشکر خدا کے

نہیں مرحلہ کوئی دشوار ان کو
گلستاں ہے صحرائے پر خار ان کو
ہر اک راہ ملتی ہے ہموار ان کو
برابر ہے میدان و کہسار ان کو
نہیں حائل انکے کوئی رہگذر میں
سمندر ہے پایاب انکی نظر میں

اسیطرح یہاں اہل ہمت ہیں جتنے ۔ کمر بستہ ہیں کام پر اپنے اپنے
جہاں کی ہے سب دھوم دہام انکے دم سے ۔ فقیر اور غنی سب طفیلی ہیں انکے
بغیر انکے بیساز و ساماں تھی مجلس ۔ نہ ہوتے اگر یہ تو ویراں تھی مجلس

زمیں سب خدا کی ہے گلزار انہیں سے ۔ زمانہ کا ہے گرم بازار انہیں سے
ملے ہیں سعادت کے آثار انہیں سے ۔ کھلے ہیں خدائی کے اسرار انہیں سے
انہیں پر ہے کچھ فخر ہے گر کسیکو ۔ انہیں سے ہے گر ہے شرف آدمی کو

انھیں سے ہے آباد ہر ملک و دولت ۔ انہیں سے ہے سرسبز ہر قوم و ملت
انہیں پر ہے موقوف قوموں کی عزت ۔ انہیں کی ہے سب ربع[1] مسکوں میں برکت
دم انکا ہے دنیا میں رحمت خدا کی ۔ انھیں کو ہے پھبتی[2] خلافت[3] خدا کی

انھیں کا اجالا ہے ہر رہگذر میں ۔ انہیں کی ہے یہ روشنی دشت و در میں
انھیں کا ظہور اہے سب خشک و تر میں ۔ انہیں کے کرشمے ہیں سب بحر و بر میں
انہیں سے ہے رتبہ یہ آدم[4] نے پایا ۔ کہ سر اُس کے آگے روحانیوں[5] نے جھکایا

۱ کرۂ زمین میں چوتھائی پانی اور ایک چوتھائی خشکی ہے۔ بس جو چوتھائی خشکی ہے ربع مسکون ہے۔ ۲ پھبنا بمعنے زیب دینا
۳ اس مصرع میں لفظ خلافت سے اُس آیت قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے جسمیں خدائے تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ اور جانشین فرمایا ہے یعنی اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں کرنیوالا ہوں زمین پر اپنا نائب
۴ آدم سب سے پہلے انسان کو کہتے ہیں جس کا دوسرا لقب ابو البشر ہے۔
۵ روحانی اصطلاح میں اون لوگوں کو کہتے ہیں جو مذہب کو صرف روحانی باتوں پر منحصر کرتے ہیں۔ جیسے عیسائی مگر اس بند میں روحانیوں سے مراد ملائکہ ہیں جنہوں نے بحکم ایزدی آدم کے آگے سر جھکایا اور سجدہ کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الآیۃ۔ پس سجدہ کیا تمام فرشتوں سب کے سب نے۔

ہر اک ملک میں خیر و برکت ہے ان سے
نجابت ہے ان سے شرافت ہے ان سے
ہر اک قوم کی شان و شوکت ہے ان سے
شرف ان سے ہے فخر ان سے عزت ہے ان سے
جفاکش بنو گر ہو عزت کے خواہاں
کہ عزت کا ہے بھید ذلت میں پنہاں

مشقت کی ذلت جنہوں نے اٹھائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی
جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی
فضیلت نہ عزت نہ فرمانروائی
نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

حکومت ملی ان کو صفار[1] تھے جو
وہ قطب زماں ٹھہرے عطار تھے جو
امامت کو پہونچے وہ قصار تھے جو
بنے مرجع خلق نجار تھے جو
اولوالفضل ہاں اٹھے سراج کتنے
ابوالوقت ہو گذرے حلاج کتنے

[1] خراسان میں صفاریوں کی حکومت تیس برس رہی ہے یعقوب بن لیث انکا پہلا بادشاہ ہے۔ صفار ٹھٹھیرے کو کہتے ہیں یعقوب اول یہی کام کرتا تھا یہ حاکم سیستان کے یہاں نوکر ہو گیا۔ یہانتک رفتہ رفتہ خراسان، نیمروز، کرمان اور فارس وغیرہ پر تسلط ہو گیا۔ اس بند میں اور بھی کئی پیشہ وروں کے نام آئے ہیں۔ مثلاً قصار دھوبی کو، نجار بڑھئی کو، سراج زین گر کو اور حلاج دھنیے کو کہتے ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ دین اور علماء و مشائخ یہ تمام پیشے کرتے تھے۔ اولوالفضل اصحاب فضل و کمال کو کہتے ہیں اور ابوالوقت اور ابن الوقت اہل سلوک کی اصطلاح میں عرفاء کے دو مرتبے ہیں جن میں سے ابوالوقت اعلیٰ مرتبہ سمجھا جاتا ہے۔

نہ بو نصر تھا نوع میں ہم سے بالا — نہ تھا بو علی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا — ہوئے اسلیئے صاحب قدر والا
اگر فکرِ کسبِ ہنر تمکو بھی ہو — تمہیں پھر ابونصر اور بوعلی ہو

بڑا ظلم اپنے پہ تم نے کیا ہے — کہ عزت کی یاں جس ستوں پر بنا ہے
ترقی کی منزل کا جو رہنما ہے — تنزل کی کشتی کا جو ناخدا ہے
قوی پشت تھیں جس سے پشتیں تمہاری — ہوئی دست بردار قوم اُس سے ساری

ہنر ہے نہ تم میں فضیلت ہے باقی — نہ علم و ادب ہے نہ حکمت ہے باقی
نہ منطق ہی باقی نہ ہیئت ہے باقی — اگر ہے تو کچھ قابلیت ہے باقی
اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں دیکھو — پھر اُکسا دو[۵۲] اس ٹمٹماتے دیئے کو

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی — خبر کچھ نہ ہمکو نہ تمکو ہے جن کی
اگر جیتے جی کچھ نہ ان کی خبر لی — تو ہو جائینگے ملکے مٹی میں مٹی
یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی — مبادا تلف ہو ودیعت خدا کی

۵۱ محمد بن محمد بن ترخان جو ابو نصر فارابی اور معلم ثانی کے لقب سے مشہور ہے حکمائے اسلام میں اس رتبہ کا کوئی حکیم جامع فنون حکمت نہیں ہوا اسکی تقریباً ساٹھ کتابیں شمار کیگئی ہیں یونانیوں اور عربوں کا کوئی علم ایسا نہیں جسمیں اسنے کتابیں نہیں لکھیں اسکی اکثر تصانیف مقبول اور برگزیدہ ہیں فاراب کا رہنے والا تھا جو ماوراء النہر کا ایک شہر ہے مقتدر باللہ کے عہد میں عراق عرب میں سکونت اختیار کی تھی اور وہیں تحصیل علم کی پھر سیف الدولہ حاکم حلب کے پاس دمشق میں چلا گیا اور وہیں ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔

۵۲ دیا اُکسانا ہندی لفظ ہے یعنی چراغ کو [illegible] اُکسا دینا۔

یہی نوجواں پھرتے آزاد جو ہیں | کمینوں کی صحبت میں برباد جو ہیں
شریفوں کی کہلاتے اولاد جو ہیں | مگر ننگِ آبا و اجداد جو ہیں
اگر نقد فرصت نہ یوں مفت کھوتے | یہی فخرِ آبا و اجداد ہوتے

یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم و جاہل | بہت اُنمیں ہیں جنکے جوہر ہیں قابل
رذائل میں پنہاں ہیں انکے فضائل | اُنہیں ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل
نہ ہوتے اگر مائلِ لہو و بازی | ہزاروں انہیں میں تھے طوسی[1] و رازی[2]

یہی قوم ہے جسمیں قحط آدمی کا | جہاں شور ہے ہر طرف ناکسی کا
نہیں جہل میں جس کے حصہ کسی کا | کبھی علم و فن پر تھا قبضہ اسی کا
وہ ہمتیں برتیں سعی و کوشش کی ساری | وہی خون ہے ورنہ رگوں میں ہماری

حکومت سے مایوس تم ہو چکے ہو | زر و مال سے ہاتھ تم دھو چکے ہو
دلیری کو ڈھک ڈھک کے منہ رو چکے ہو | بزرگی بزرگوں کی سب کھو چکے ہو
مدار اب فقط علم پر ہے شرف کا | کہ باقی ہے ترکہ یہی اک سلف کا

[1] طوس مشہد مقدس کا قدیم نام ہے۔ اور یہاں طوسی سے مراد خواجہ نصیر الدین محقق طوسی ساتویں صدی ہجری کے ایک اسلامی حکیم سے ہے جو ہلاکو خاں کے مصاحب خاص اور مشیر تھے۔ اور جنکی تصانیف اکثر علوم و فنون میں ابو نصر اور بو علی سینا کی تصانیف کے بعد سمجھی جاتی ہیں۔

[2] رازی رے کا باشندہ۔ رے عراق عجم کا ایک قدیم اور نامی شہر ہے۔ اور یہاں رازی سے مراد امام فخر الدین رازی سے ہے جنکی ولادت ۵۴۴ھ میں ہوئی تھی مسلمانوں میں یہ بڑے جلیل القدر عالم گذرے ہیں۔ انکی تصانیف مختلف علوم و فنون و مذہب میں پچاس کے قریب شمار کیگئی ہیں جنمیں صرف قرآن مجید کی تفسیر بارہ جلدوں میں ہے۔

ہمیشہ سے جو کہتے آئے ہیں سب یاں — کہ ہے علم سرمایۂ فخر انساں
عرب اور عجم ہند اور مصر و یوناں — رہا اتفاق اس پہ قوموں کا یکساں
یہ دعویٰ تھا اک جس پہ حجت نہ تھی کچھ — کھلی اس پہ اب تک شہادت نہ تھی کچھ

جو تھا اک اُسکی نظروں میں بھاری — پرکھنے کی جسکے نہ آئی تھی باری
فضائل تھے سب علم کے اعتباری — نہ تھیں طاقتیں اُسکی معلوم ساری
پہ اب تجربوں سے رہی ہیں گواہی — کہ ہے علم میں زور دستِ الٰہی

کیا کوہساروں کو مسمار اس نے — بنایا سمندر کو بازار اس نے
زمینوں کو منوایا دوّار اس نے [1] — ثوابت کو ٹھہرایا سیّار اس نے [2]
لیا بھاپ سے کام لشکر کشی کا — دیا پتلیوں کو شکست آدمی کا

پہیا ایندھن سے چلوانیوالا — جہازوں کو خشکی میں چلوانے والا
صداؤں کو سانچے میں [3] ڈھلوانیوالا — زمیں کے خزانے اگلوانے والا
کبھی برق کو نامہ بر ہے بناتا — کبھی آدمی کو ہے لے کر اُڑاتا

(۱) تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ زمین ساکن نہیں بلکہ متحرک ہے اور آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے۔

(۲) تحقیقات قدیمہ میں سبع سیارہ کے علاوہ باقی ستارے ثوابت مانے جاتے تھے مگر اب تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ سبع سیارہ کے علاوہ اور بھی سیارے ہیں بلکہ بہت سے شموس (جمع شمس) اور بہت سے اقمار (جمع قمر) آسمان پر نظر آتے ہیں۔

(۳) صداؤں کا سانچے میں ڈھلنا اشارہ ہے فونوگراف اور گراموفون کی جانب۔

تمدن کے ایواں کا معمار ہے یہ
کہیں دستکاروں کا اوزار ہے یہ
ترقی کے لشکر کا سالار ہے یہ
کہیں جنگجویوں کا ہتھیار ہے یہ
دکھایا ہے نیچا دلیروں کو اسنے
بنایا ہے روباہ شیروں کو اسنے

اسی کی ہے اب چار سو حکمرانی
ہوئے رام دیوان مازندرانی[2]
کیے اسنے زیر ارمنی اور یمانی[1]
گئے زابلی[3] بھول سب پہلوانی
ہوا اسکی طاقت سے تسخیر عالم
پڑے سامنے اسکے چرکس[4] و دیلم[5]

یہ لاٹھوں پہ ہے سیکڑوں کو چڑھاتا
جہازوں سے ہے زورقوں[6] کو بھڑاتا
سواروں کو پیادوں سے ہے زک دلاتا
حصاروں کو ہے چٹکیوں میں اڑاتا
ہوا کوئی حربوں سے اسکے نہ سر بر
نہ ٹھہری زرہ اسکے آگے نہ بکتر

[1] ارمنی ارمنیا کے باشندے اور یمانی یمن کے باشندے۔

[2] ولایت مازندران دیلم اور گیلان کے مشرق میں ہے اس نواح کے اکثر باشندے اب روس کے ماتحت ہیں جنکو فردوسی نے شاہنامہ میں مازندران کے دیو کہا ہے مگر اب یورپ کے فنون جنگ نے انکو بھی مغلوب کرکے چھوڑا۔

[3] زابل: قدیم میں زابل کے نام سے وہ ملک مشہور تھا جسکے مشرق میں کابل مغرب میں سیستان جنوب میں سندھ اور شمال میں کوہستان ہزارہ ہے۔ قندھار، غزنیں، میمنہ اور فراہ وغیرہ اسکے مشہور شہر تھے۔ کیانیوں کے زمانہ میں یہ ملک رستم کے خاندان کی حکومت میں تھا۔ وہاں کے باشندوں کو زابلی اور زابلستانی کہتے ہیں۔

[4] چرکس سرکیشیا کے باشندوں کو کہتے ہیں۔

[5] دیلم ایک پہاڑی ملک کا نام ہے پہلے ایران میں شامل تھا اور اب عملداری روس میں داخل ہے اس ملک کے باشندوں کو بھی دیلمی کہتے ہیں جنکے بال اکثر گھونگروالے ہوتے ہیں۔ [6] زورق چھوٹی کشتی کو کہتے ہیں

جنہوں نے بنایا اُسے اپنا یاور — ہر اک راہ میں اسکو ٹھہرایا رہبر
تو قول اُنکا صادق آتا ہے اُن پر — کہ اک نوع ہے نوع انساں سے برتر
الگ سب سے کام اُنکے اور طور سب سے — اگر نسب میں انساں تو وہ اور ہیں کچھ

بہت اُنکو معجز نما جانتے ہیں — بہت دیوتا اُن کو گردانتے ہیں
جو سمجھے ہیں کچھ اُنکو پہچانتے ہیں — وہ اتنا مقرر انہیں مانتے ہیں
کہ دنیا نے جو کچھ کی ہستی اب تک کمائی — وہ سب جز و کل اُنکے حصہ میں آئی

کیا علم نے اُنکو ہر فن میں یکتا — نہ ہمسر رہا کوئی اُن کا نہ ہمتا
ہر اک چیز اُنکی ہر اک باب کام اُنکا — سمجھ بوجھ سے ہے زمانہ کی بالا
صنائع کو سب اُنکی تکتے ہیں ایسے — عجائب میں قدرت کے حیراں ہوں جیسے

دیئے علم نے کھول اُن پر خزانے — چھپے اور ظاہر نئے اور پرانے
بتائے اُنہیں غیب کے حال علم نے — دکھائے فتوحات کے سب ٹھکانے
ہوا جیسے چھائی ہے سب بحر و بر پر — وہ یوں چھا گئے خاور و باختر پر

یہ ثابت ہے کہ ہے اصل تعلیم دولت — یہی ہے سدا پشت حکمت حکومت
ہوئی سلطنت جنکی دنیا سے رخصت — نہ علم اُنمیں باقی رہا اور نہ حکمت
نہ یونان محکوم ہو کر رہا کچھ — نہ ایران تاج اپنا کھو کر رہا کچھ

یہ اک خارکش صبر و ہمت میں کامل — یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل
کہ جن سختیوں کا اُٹھانا ہے مشکل — وہی ہیں کچھ ایسے دل اٹھانے کے قابل
حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا — نہو ایک جبتک لہو اور پسینا

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا / تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اُٹھانا / ذرا تیز ہانکو جو ہے دُور جانا
زمانہ اگر ہم سے زور آزما ہے / تو وقت اے عزیزو یہی زور کا ہے

کرو یاد اپنے بزرگوں کی حالت / شدائد میں جو ہارتے تھے نہ ہمت
اُٹھاتے تھے برسوں سفر کی مشقت / غریبی میں کرتے تھے کسبِ فضیلت
جہاں کھوج پاتے تھے علم و ہنر کا / نکل گھر سے لیتے تھے رستہ اُدھر کا

عراقین[1] و شامات[2] و خوارزم[3] و توران[4] / جہاں جنسِ تعلیم سنتے تھے ارزاں
وہیں پے سپر کرکے کوہ و بیاباں / پہنچتے تھے طلاب افتاں و خیزاں
جہاں تک عمل دینِ اسلام کا تھا / ہر اک راہ میں اُن کا تانتا بندھا تھا

[1] عراقین دونوں عراق یعنی عراق عرب و عجم جو کہ ایران کا پہاڑی حصہ ہے اور جسکو بلاد الجبل بھی کہتے ہیں

[2] ملک شام کو اُسکے مختلف حصوں کے لحاظ سے شامات بھی کہتے ہیں جیسے گیلانات و شروانات گیلان و شروان کو کہتے ہیں۔

[3] خراسان کے شمال میں بحیرۂ خوارزم یعنی جھیل یورال تک جسکا دارالحکومت اس زمانے میں خیوا ہے۔ ابتدائے مذہب اسلام سے سلطان محمود خوارزم شاہ تک (جسکا خاتمہ چنگیز خاں نے کیا) بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ یہاں حکمران رہے اور اب روس کے ماتحت ہے۔ گرگانج، جرجانیہ، خیوا، زمخشر اور ہزارہ سب اسکے بڑے شہر ہیں۔

[4] ملک توران زمانہ سابق میں دریائے سندھ سے جھیل یورال تک مانا جاتا تھا اور یہ ایران کا مشرقی حصہ تھا اب اسکا کچھ رقبہ روسی عملداری میں شامل ہوگیا ہے۔

نظامیہ[۱] نوریہ مستنصریہ	نفیسیہ ستیہ اور صاحبیہ
رواحیہ غزیہ اور قاہریہ	عزیزیہ زینیہ اور ناصریہ
یہ کالج تھے مرکز سب آفاقیوں کے	حجازی[۲] و کردی[۳] و قبچاقیوں[۴] کے
بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے	جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے	کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے
اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو	سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

[۱] اس بند میں چند مدارس اسلامیہ کا نام لیا گیا ہے۔ از انجملہ نظامیہ کے نام سے پانچ مدرسے ہرات نیشاپور اصفہان بصرہ اور بغداد میں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر الپ ارسلان سلجوقی کے بنوائے مشہور تھے اور نوریہ نور الدین سلطان شاہ حسن کا موصل میں مستنصریہ خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کا بغداد میں ستیہ یعنی مدرسہ ست الشام خاتون بنت ایوب خواہر صلاح الدین کا بنایا ہوا دمشق میں صاحبیہ وزیر صفی الدین کا قاہرہ میں۔ رواحیہ۔ رواحہ کے پوتے زکی ابو القاسم ہبۃ اللہ کا دمشق میں ناصریہ ملک الناصر صلاح الدین کا شہر میں جاری تھا اور نفیسیہ عزیزیہ قاہریہ وغیرہ جنکے بانیوں کے نام معلوم نہیں ہیں بیت المقدس موصل بغداد دمشق۔ اور اسکندریہ میں کھلے ہوئے تھے

[۲] حجازی حجاز کا رہنے والا۔ حجاز عرب میں بحر احمر کے کنارے ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شام تک شمالاً جنوباً چلا گیا ہے چونکہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اسی سلسلہ میں ہے اسلئے اہل مکہ اور اہل مدینہ کو حجازی کہتے ہیں۔

[۳] کردی کرد سے منسوب ہے جو ایک ترکی قوم ہے اور سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس اسی قوم ترک کا بہت بڑا امیر گذرا ہے۔

[۴] قبچاقی قبچاق کا رہنے والا بحیرۂ کاسپین اور بحر اسود کے شمالی حصہ کو سابق میں دشت قبچاق کہتے تھے۔ اور اسوقت یہ تاتاری مسلمانوں کی آبادی تھی۔ اب یہ حصہ روس کی عملداری میں ہے۔

بہت خوان بے اشتہا تم نے کھائے
بہت آس پر ساز کی راگ گائے
بہت بوجھ بندھ بندھ کے تم نے اٹھائے
بہت عارضی تم نے جلوے دکھائے
بس اب اپنی گردن پہ رکھو جوا تم
کرو چاہتے ہیں آپ اپنی روا تم

تمہیں اپنی مشکل کو آساں کروگے
تمہیں اپنی منزل کا ساماں کروگے
تمہیں درد کا اپنے درماں کروگے
اگر دوگے تمہیں کچھ اگر یاں کروگے
چھپا دست ہمت میں زور قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

سراسر ہو گو سلطنت فیض گستر
مگر کوئی حالت نہیں اس سے بدتر
رعیت کی خود تربیت میں ہو یا در
کہ ہر بوجھ ہو قوم کا سلطنت پر
ہو اسطرح ہاتھوں میں اسکے رعیت
کہ قبضہ میں غسال کے جیسے میت

وہی گر تجارت کے اسکو سجھائے
وہی کاشتکاری کے آئیں سکھائے
وہی صنعت اور حرفت اسکو بتائے
وہی اسکو لکھوائے وہی پڑھائے
ملا جس رعیت کو ایسا سہارا
کیا آدمیت نے اس سے کنارا

یہی سلطنت کی ہے کافی اعانت
نفوس اور اموال کی ہو حفاظت
کہ ہو ملک میں امن اسکی بدولت
حکومت میں ہو اعتدال اور عدالت
نہ زور آور رعیت پہ بیجا ہو کوئی
نہ قانون جھٹ کارفرما ہو کوئی

۵۱ اس بند میں بے اشتہا خوان کھانے اور بندھ بندھ کے بوجھ اٹھانے اور ساز کے سہارے پر راگ گانے اور عارضی جلوے دکھانے سے یہ مراد ہے کہ اب تک جس قدر انگریزی تعلیم تم نے حاصل کی ہے گورنمنٹ کی ترغیب سے کی ہے اپنی تعلیم کا آپ فکر نہیں کیا۔
۵۲ جوا (۱) قمار، وہ لکڑی سے بیلوں کی گردن پر رکھی جاتی ہے۔

جہاں ہو یہ اندازِ فرماں روائی — رعیت کی ہے واں نپٹ بے حیائی
کہ ہر کام میں آس ڈھونڈے پرائی — کرے آپ اپنی نہ مشکل کشائی۔
کھڑا ہو سہارا اِک اڑوار کے گھر — ہٹی وہ جہاں آ رہے یہ زمیں پر

گیا اب وہ دلتنگیوں کا زمانہ — کہ اپنوں کا حصہ تھا پڑھنا پڑھانا
برہمن کا پہنے اگر شدر بانا — تو اُس پر نہیں اب کوئی تازیانہ
ہوئے برطرف سب نشیب و فراز اب — سفید و سیہ میں نہیں امتیاز اب

بس اب وقت کا حکمِ ناطق[1] یہی ہے — کہ جو کچھ ہے دنیا میں تعلیم ہی ہے
یہی آجکل اصلِ زمانہ ہی ہے — اِسی میں چھپا سرِّ شاہنشہی ہے
ملی ہے یہ طاقت اِسی کیمیا کو — کہ کرتی ہے یہ ایک شاہ و گدا کو

سکھاتی ہے محکوم کو یہ اطاعت — سمجھاتی ہے حاکم کو راہِ عدالت
دلوں سے مٹاتی ہے نقشِ عداوت — جہاں سے اُٹھاتی ہے رسمِ بغاوت
یہی ہے رعیت کو حقدار کرتی — یہی ہے کہ و مہ کو ہموار کرتی

سُنی ہے غریبوں کی فریاد اِسی نے — کیا ہے غلامی کو برباد اِسی نے
ریپبلک[2] کی ڈالی ہے بنیاد اِسی نے — بنایا ہے پبلک[3] کو آزاد اِسی نے
مقید کبھی کرتی ہے یہ اور رہا بھی — بناتی ہے آزاد بھی باوفا بھی

[1] روزمرہ کی بول چال میں ضروری اور تاکیدی حکم کو کہتے ہیں۔
[2] ریپبلک سلطنت جمہوری جسمیں تمام رعیت کو انتظام ملک اور وضع قانون وغیرہ میں مداخلت ہوتی ہے جیسے بالفعل فرانس اور امریکہ وغیرہ میں جاری ہے اور روس کی رعایا بھی اسکی خواہش کر رہی ہے
[3] پبلک جمہور رعایا۔ انگریزی لفظ ہے۔

تجارت نے رونق ہے پاس سے پائی | کہ ہیچ اسکے آگے ہے فرمانروائی
فلاحت کی یہ منزلت ہے بڑائی | کہ فلاح کرتے ہیں معجز نمائی
ترقی یہ صنعت کو دی ہے بلا کی | کہ ہوتی ہے معلوم قدرت خدا کی

یہ نااتفاقی ہے قوموں سے کھوتی | یہ قومی محبت کا ہے بیج بوتی
یہ آپس کے کینے دلوں سے ہے دھوتی | یہ دانے ہے سب ایک لڑی میں پروتی
یہ نقطوں پہ خط کی طرح ہے گذرتی | کروڑوں دلوں کو ہے یہ ایک کرتی

جہاں یہ نہیں واں نہ قوم اور نہ ملت | نہ ملکی حمایت نہ قومی حمیت
جدا سب کے رنج اور جدا سب کی راحت | الگ سب کی ذلت الگ سب کی عزت
خبر واں نہیں یہ کہ ہے قوم شے کیا | چھپا ہے حق ان تعلق میں ہے کیا

جنہوں نے کہ تعلیم کی قدر و قیمت | نہ جانی مسلط ہوئی ان پہ ذلت
ملوک اور سلاطین نے کھوئی حکومت | گھرانوں پہ چھائی امیروں کے نکبت
رہی خاندانی نہ عزت کے قابل | ہوئے سارے دعوے شرافت کے باطل

نہ چلتے ہیں واں کام کاریگروں کے | نہ برکت ہے پیشہ میں پیشہ وروں کے
بگڑنے لگے کھیل سوداگروں کے | ہوئے بند دروازے اکثر گھروں کے
کماتے تھے دولت جو دن رات بیٹھے | وہ اب دھرے ہاتھ پر ہاتھ بیٹھے

ہنر اور فن واں ہیں سب گھٹتے جاتے | ہنرمند ہیں روز و شب گھٹتے جاتے
ادیبوں کے فضل و ادب گھٹتے جاتے | طبیب اور انکے مطب گھٹتے جاتے
ہوئے پست سب فلسفی اور مناظر | نہ ناظم ہیں سرسبز انکے نہ ناثر

اگر وہ پہننے کو ٹوپی بنائیں
جو سینے کو وہ اک سوئی منگائیں
تو کپڑا وہ اک اور دنیا سے لائیں
تو مشرق سے مغرب میں لینے کو جائیں
ہر اک شے میں غیروں کے محتاج ہیں وہ
مکینکس کی رو میں تاراج ہیں وہ

نہ پاس انکے چادر نہ بستر ہے گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی نہ نشتر ہے گھر کا
نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہے گھر کا
صراحی ہے گھر کی نہ ساغر ہے گھر کا
النوال جلسوں میں قلم دوات وغیرہ
اثاثہ ہے سب عاریت کا گھر میں

جو مغرب سے آئے نہ مالِ تجارت
ہو تجار پر بند راہِ معیشت
تو مر جائیں بھوکے وہاں اہلِ حرفت
دکانوں میں ڈھونڈے نہ پائیں یہ صناعت
پرائے سہارے ہیں بیوپار ان کے
طفیلی ہیں سیٹھ اور تجار واں کے

یہ ہیں ترکِ تعلیم کی سب سزائیں
مبادا رہِ عافیت پھر نہ پائیں
وہ کاش اب بھی غفلت سے باز اپنی آئیں
کہ ہیں بے پناہ آنیوالی بلائیں
ہوا بڑھتی جاتی سرِ رہ گزر ہے
چراغوں کو فانوس بن اب خطر ہے

لئے فردِ بخشش دوراں کھڑا ہے
جنہیں جوہر اور کرتبی دیکھتا ہے
ہر ایک فوج کا جائزہ لے رہا ہے
انہیں بخشتا تیغ و طبل و لوا ہے
یہ ہیں بے ہنر بلقلم چھٹتے جاتے
رسالوں سے نام انکے ہیں کٹتے جاتے

بس اب علم و فن کے وہ پھیلاؤ ساماں
غریبوں کو راہِ ترقی ہو آساں
کہ نسلیں تمہاری بنیں جن سے انساں
امیروں میں ہو نورِ تعلیم تاباں
کوئی اور نہیں دنیا کی عزت کو تھامے
کوئی کشتیِ دین و ملت کو تھامے

بنے قوم کھانے کمانے کے قابل
تمدن کی مجلس میں آنے کے قابل
زمانے میں ہو منھ دکھانے کے قابل
خطاب آدمیت کا پانے کے قابل
سمجھنے لگیں اپنے سب نیک و بد وہ
لگیں کرنے آپ اپنی اپنی مدد وہ

کرو قدر اونکی ہنر جن میں پاؤ
دل اور حوصلے اونکے ملکر بڑھاؤ
ترقی کی اور اون کو رغبت دلاؤ
ستون اس کھنڈر گھر کے ایسے بناؤ
کوئی قوم کی جسسے خدمت بن آئے
بٹھائیں اُنھیں سر پہ اپنے پرائے

کروگے اگر ایسے لوگونکی عزت
بڑھ جائیگی جو قوم کی شان و شوکت
تو پاؤگے لینے میں تم اک جماعت
کہ انکو نہیں پھیلائیگی خیر و برکت
مدد جنکو تمسے وہ آج لیگی
عوض تمکو کل اسکا دہ چند دیگی

ترقی کے یوناں کی اسباب کیا تھے
تمدن کے میدانمیں زور آزما تھے
ہنر سے جہاں بہرہ ور ناخدا تھے
وطن کی محبت میں یکسر فنا تھے
مقاصد بڑے اور ارادے تھے عالی
نہ تھا ہمسے چھوٹا بڑا کوئی خالی

سبب کچھ نہ تھا اسکا جز قدردانی
ترقی میں کرتے تھے جو جانفشانی
کہ ہوتے تھے جو علم و حکمت کے بانی
حیات اونکو ملتی تھی جاودانی
وطن جیتے جی اُنپہ قرباں تہا سارا
پس از مرگ پجتے تھے وہ ہیکلا[illegible]

ا؎ قدیم یونانیوں میں یہ دستور تھا کہ جو شخص اہل کمال سمجھا جاتا تھا تو باشندگان یونان اسکا بت بناکر عام گذرگاہوں پر نصب کرتے تھے اور اسکو مثل دیوتا کے قرار دے کر اوس کی پرستش کیا کرتے تھے اس حوصلہ افزائی سے قوم میں بڑے بڑے علماء و حکما پیدا ہو گئے تھے جنکے اسٹیچو (مجسمے) اب بھی یونان کے بعض بعض مقامات میں نظر آتے ہیں۔

اِسی گُر نے تھا جوش سب کو دلایا — کہ تھا اک جزیرہ نے رتبہ یہ پایا
اِسی شوق نے تھا دلوں کو بڑھایا — اِسی نے تھا یوناں کو یوناں بنایا
اِس امید پر کوششیں تھیں یہ ساری — کہ ہو قوم کے دل میں عظمت ہماری

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو وقعت — جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں تھامنی ہو گھرانے کی عزت — جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلت
جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری — اُنھیں فرض ہے قوم کی غمگساری

بہت دل ہیں نرم ان دنوں ہوتے جاتے — کہ حالت پہ ہیں قوم کی اُمڈے آتے
تنزل پہ ہیں اُسکے آنسو بہاتے — نہیں آپ کچھ کرکے لیکن دکھاتے
خبر بھی ہے دل اُنکے جلتے ہیں کس پر — وہ ہیں آپ ہی ہاتھ ملتے ہیں جس پر

رئیسوں کی جاگیرداروں کی دولت — فقیہوں کی دانشوروں کی فضیلت
بزرگوں کی اور واعظوں کی نصیحت — ادیبوں کی اور شاعروں کی فصاحت
جچے تب کچھ آنکھوں میں اہل وطن کی — جو کام آئے بہبود میں انجمن کی

جماعت کی عزت میں ہے سب کی عزت — جماعت کی ذلت میں ہے سب کی ذلت
رہی ہے نہ ہرگز رہے گی سلامت — نہ شخصی بزرگی نہ شخصی حکومت
وہی شاخ پھولے گی یاں اور پھلے گی — ہری ہو گی جڑ اس گلستاں میں جنکی

ذخیرہ ہے جب چیونٹا کوئی پاتا — تو بھاگا جماعت میں ہے اپنی آتا
اُنھیں ساتھ لیکے ہے یاں سے جاتا — فتوح اپنی ایک ایک کو ہے دکھاتا
سدا اونچے یاں اس طرح کام چلتے — ملائی ہے ایک اک کی الکھوں میں پلتے

جب اک چیونٹا جسمیں دانش نہ حکمت
معیشت سے ایک اک کو بخشے فراغت
بنی نوع کی اپنی بر لائے حاجت
کرے اُنپہ وقف اپنی ساری غنیمت
تو اِس سے زیادہ ہے بے عزتی کیا
کہ ہو آدمی کو نہ پاس آدمی کا

غضب ہے کہ جو نوع ہو سب سے برتر
فرشتوں سے جو سمجھے اپنے کو بڑھ کر
گنے آپ کو جو کہ عالم کا سرور
خدا کا بنے جو کہ دنیا میں مظہر
نہ ہو مردمی کا نشاں اُسمیں اتنا
مسلّم ہے مٹی کے کیڑے وبھنبں جتنا

الٰہی بحقِ رسولِ تہامی [1]
جسے دور و نزدیک تھے سب گرامی
ہر اک فرد انساں کا تھا جو کہ حامی
برابر تھے مکی [2] و زنگی و شامی
شہ سروں کو ساتھ اپنے جسنے نباہا
بُرونکا ہمیشہ بھلا جسنے چاہا

طفیل اوسکا اور اوسکی عترت [3] کا یارب
اک ابر اُسپہ بھیج اپنی رحمت کا یارب
پکڑ ہاتھ جلد اوسکی امت کا یارب
غبار اُس سے جو دھو دے ذلت کا یارب
کہ ملت کو ہے ننگ ہستی سے اُسکی
ہوا پست اسلام پستی سے اُسکی

[1] تہامی تہامہ کا رہنے والا۔ تہامہ ملک حجاز کے مشرقی حصہ کو جو بحر احمر کے کنارہ یمن سے ینبع النخل تک چلا گیا ہے کہتے ہیں جسکے مشہور مقامات، حمیر، ابو عریش، جدہ، خلیص، بدر، حنین، ینبوع، وغیرہ ہیں۔ چونکہ مدینہ منورہ بھی سرزمین تہامہ میں شامل ہے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تہامی کہتے ہیں۔

[2] مکی مکہ کا، زنگی زنگبار کا، شامی شام کا رہنے والا۔

[3] عترت بمعنے اولاد۔

بچا اونکو اُس تنگنائے[1] بلا سے
کہ رستہ ہو گم رہرو[2] و رہنما سے
نہ امید یاری[3] ہو یار آشنا سے
نہ چشمِ اعانت ہو دست و عصا سے
چپ و راست چھائی ہوئی ظلمتیں ہوں
دلوں میں امیدونکی جا حسرتیں ہوں

انہیں کل کی فکر آج کرنی سکھادے
ذرا انکی آنکھوں سے پردہ اٹھادے
کمینگاہ[4] بازیٔ دوراں دکھادے
جو ہونا ہے کل آج انکو سجھادے
چھتیں پاٹ لیں تاکہ باراں سے پہلے
سفینہ[5] بنا رکھیں طوفاں[6] سے پہلے

---

۱ تنگنائے۔ تنگی۔ وہ گلی جو تنگ ہو تنگ جگہہ۔ درہ پہاڑ کا۔

۲ رہرو سے مراد عام مسلمان اور رہنما سے حضرات علمائے کرام۔

۳ یاری۔ مددگاری کرنا۔ مدد کرنا۔

۴ کمینگاہ۔ گھات کی جگہ جہاں دشمن کی تاک میں بیٹھیں۔

۵ سفینہ۔ کشتی۔ ناؤ۔

۶ طوفان۔ آب کثیر۔ پانی کی رو جو مکانوں کو گرا دیوے اور انسان و حیوان کو بہا لیجاوے
آندھی جو بہت تیز ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال بجناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فُقرا ہے

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اُسکی مجالس میں نہ بتّی نہ دیا ہے

جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہبان
اب اُسکا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدرد بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اسمیں بپا ہے

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر غنا بھی
اُس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے

جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کی
وہ عرصۂ تیغِ جہلا و سُفہا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ درا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی
دیندار وں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

یاں راگ ہے دن رات تو واں رنگ شب و روز
یہ مجلس اعیان ہے وہ بزم شرفا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

ہے دین کی دولت سے بہا علم سے رونق
بے دولت و علم اسمیں نہ رونق نہ بہا ہے

شاہد ہے اگر دین تو علم اسکا ہے زیور
زیور ہے اگر علم تو مال اسکی جلا ہے

جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت
اس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دور زماں میٹ رہا ہے

جس قصر کا تھا سر بفلک گنبد اقبال
ادبار کی اب گونج رہی اسمیں صدا ہے

بیڑا تھا نہ جو باد مخالف سے خبردار
جو چلتی ہے اب چلتی خلاف اسکی ہوا ہے

وہ روشنی بام و در کشور اسلام
یاد آج تلک جسکی زمانے کو ضیا ہے

روشن نظر آتا نہیں واں کوئی چراغ آج
بجھنے کو ہے اب گر کوئی بجھنے سے بچا ہے

عشرتکدے آباد تھے جس قوم کے ہر سو
اس قوم کا اک اک گھر اب بزم عزا ہے

چاؤش تھے للکارتے جن رہگذروں میں
دن رات بلند انمیں فقیروں کی صدا ہے

وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بفلک تھی
وہ یاد میں اسلاف کی اب رو بقضا ہے

جو قوم کہ مالک تھی علوم اور حکم کی
اب علم کا واں نام نہ حکمت کا پتا ہے

کھوج ان کے کمالات کا لگتا ہے اب اتنا
گم دشت میں اک قافلہ بے طبل و درا ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم خدا ہے

تھی آس تو تھا خوف بھی ہمراہ رجا کے — اب خوف ہے مدت سے دلوں میں نہ رجا ہے

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت — شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلا ہے

دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت — سچ ہے کہ برے کام کا انجام برا ہے

کی زیب بدن سب نے ہے پوشاک کتانی — اور برف میں ڈوبی ہوئی کشور کی ہوا ہے

درکار ہے یاں معرکہ میں جوشن و خفتاں — اور دوش پہ یاروں کے وہی کہنہ ردا ہے

دریائے پر آشوب ہے اک راہ میں حائل — اور بیٹھ کے گھڑے ناؤ پہ یاں قصد شنا ہے

ملتی نہیں اک بوند بھی پانی کی جہاں مفت — واں قافلہ سب گھر سے تہی دست چلا ہے

یاں نکلے ہیں سودے کو درم لیکے پرانے — اور سکہ رواں شہر میں مدت سے نیا ہے

فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہباں — بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمۂ رحمت بِاَبِی اَنتَ وَ اُمّی — دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا — جب تو نے کیا نیک سلوک اُن سے کیا ہے

صدمہ درِ دنداں کو ترے جنسے کہ پہونچا — کی اُن کے لئے تو نے بھلائی کی دعا ہے

کی تو نے خطا عفو ہے اُن کینہ کشوں کی — کھانے میں جنہوں نے کہ تجھے زہر دیا ہے

سو بار ترا دیکھ کے عفو اور ترحم — ہر باغی و سرکش کا سر آخر کو جھکا ہے

جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری — منقول انہیں سے تری پھر مدح و ثنا ہے

برتاؤ ترے جبکہ یہ اعدا سے ہیں اپنے — اعدا سے غلاموں کو کچھ امید سوا ہے

کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں — خطروں میں بہت جسکا جہاز آ کے گھرا ہے

امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن — دلدادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہے

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدہ میں ہمارے
وہ تیری محبت تری عترت کی ولا ہے

ہر چپقلش دہر مخالف میں ترا نام
ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے

جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اڑتی
وہ خاک ہمارے لئے داروئے شفا ہے

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف
اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہے

جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت
کعبہ سے کشش اسکی ہر اک دل میں سوا ہے

کل دیکھئے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا
اب تک تو ترے نام پہ اک ایک فدا ہے

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ اور زیادہ
اخبار میں اَلطَّالِحُ لِی ہمنے سنا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزت کے ہیں خواہاں
پر فکر ترے دین کی عزت کی سدا ہے

گر دین کو جوکھوں نہیں ذلت سے ہماری
امت تری ہر حال میں راضی برضا ہے

عزت کی بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں
اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلت میں مزا ہے

ہاں حالی گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھکو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے

شمس العلماء مولانا حالی کے حالاتِ زندگی

ولادت اور خاندان

مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالیؔ جنھوں نے اردو شاعری کے قالب میں نئی روح پھونکی اور جو اس صدی کو مسلم الثبوت اردو شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور جنکی نظمیں ہندوستان میں بچہ بچہ کی زبان پر ہیں۔ انکی ولادت پانی پت میں جو دہلی سے شمال کی طرف ۵۳ میل کے فاصلہ پر آباد ہے ۱۸۳۷ء میں واقع ہوئی۔ اس قصبہ میں کچھ کم سات سو برس سے قوم انصار کی ایک شاخ آباد چلی آتی ہے۔ غیاث الدین بلبن کے عہدِ حکومت میں اس شاخ کے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نام ہرات سے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ سلطان بلبن نے جو قدیم اشراف خاندانوں کی بہت عزت کرتا تھا۔ انکو پرگنہ پانی پت میں چند عمدہ اور سیر حاصل دیہات بطور مدد معاش کے عنایت کئے۔ اور قصبہ کے اندر بہت سی زمین سکونت کیلئے بھی عطا کی۔ اسکے علاوہ ان کو پرگنہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ اور نرخ بازار کی تشخیص عیدین کی خطبہ خوانی۔ اور مزاراتِ ائمہ جو سوادِ پانی پت میں واقع ہیں۔ انکی تولیت بھی انھی سے متعلق کر دی۔ پانی پت میں ایک محلہ انصاریوں کا جو مشہور ہے۔ وہ انھی بزرگ کی اولاد سے منسوب ہے۔ مولنا حالی باپ کی طرف سے اسی شاخ انصار سے علاقہ رکھتے ہیں۔ مگر ماں کی طرف سے وہ سادات کے ایک معزز گھرانے کی طرف منسوب ہیں۔

تعلیم

ان کی تعلیم اور تربیت باقاعدہ نہیں ہوئی - اسکی وجہ یہ تھی کہ ولادت کے بعد ہی انکی والدہ کا دماغ مختل ہو گیا تھا - اور جب وہ نو سال کی عمر میں تھے - تو ان کے والد بھی اس دنیا سے رحلت کر گئے تھے - انہوں نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنا سرپرست بھائی بہنوں کے سوا کسی کو نہیں پایا اوّل انہیں قرآن مجید حفظ کرایا گیا پھر انہوں نے سید جعفر علی مرحوم سے فارسی کی دو چار ابتدائی کتابیں پڑھیں - یہ بزرگ میر ممنون دہلوی کے داماد اور بھتیجے تھے - اور اسوقت پانی پت میں رشتہ داری کے سبب سے مقیم تھے - اور فارسی زبان اور تاریخ و طب میں اُن کو اعلےٰ درجہ کی مہارت تھی - جب فارسی سے فی الجملہ مناسبت پیدا ہوگئی تو اُن کو عربی سیکھنے کا شوق ہوا چنانچہ انہوں نے مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری سے جو شیعو نمیں ایک جیّد عالم تھے - عربی زبان کی صرف و نحو پڑھنی شروع کی ابھی کتابیں تمام نہیں ہوئی تھیں - کہ انکے سرپرستوں اور مربیوں نے انکو شادی کرنے پر مجبور کیا - اسوقت انکی عمر سترہ سال کی تھی شادی ہو جانیکے بعد انکو سب نے اسبات پر آمادہ کیا - کہ وہ ملازمت تلاش کریں - مگر تعلیم کا شوق غالب تھا اور بیوی کا میکا آسودہ حال تھا - اس لئے وہ گھر والوں سے روپوش ہو کر دلی میں جا پہنچے یہاں ڈیڑھ برس تک انہوں نے صرف و نحو اور منطق کی کتابیں مولوی نوازش علی مرحوم سے پڑھیں - جو ایک مشہور واعظ اور مدرس تھے - اس زمانہ میں قدیم دہلی کالج خوب رونق پر تھا - مگر چونکہ مولانا کی زندگی ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں بسر ہوئی تھی جو علوم کو عربی اور فارسی میں منحصر سمجھتے تھے - اور انگریزی کو صرف نوکری کا

ذریعہ خیال کرتے تھے۔ اسلئے انکو اس تمام عرصہ میں کبھی اسبات کا خیال بھی نہیں ہوا کہ کالج کو جا کر دیکھیں یا اس میں تعلیم پائیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کو انگریزی میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔

ابھی دہلی میں انکو تحصیل علم سے فراغت نہیں ہوئی تھی۔ کہ ان کے عزیزو اقارب نے انکو وطن میں واپس بلانے پر مجبور کیا۔ یہ ذکر ۱۸۵۵ء کا ہے۔ وطن میں آکر وہ برس ڈیڑھ برس تک بطور خود کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ دوران قیام دہلی میں ایک عربی رسالہ آپنے تصنیف کیا۔ جو ایک منطقی مسئلہ میں مولوی صدیق حسن خانصاحب بہادر (جو مابعد نواب بھوپال ہوئے) کی تائید میں تھا۔ ان کے استاد نے پڑھکر بہت ناراضی کا اظہار کیا۔ یہانتک کہ اسکو چاک کر دیا۔ مولانا کو قدرتی طور پر رنج ہوا۔ لیکن استاد نے جو مشہور مقلد عالم تھے اور حسین بخش کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے۔ کہا کہ رسالہ نہائت لیاقت سے لکھا گیا تھا۔ مگر ایک وہابی (غیر مقلد) کی تائید تھی۔ اسلئے چاک کر دیا گیا۔ مولانا کے اعتدال و انصاف پسندی کی یہ سب سے پہلی مثال ہے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ان کے چار سال اور بیکاری میں گذرے۔ اس زمانہ میں انہوں نے پانی پت کے مشہور فضلاء مولوی عبدالرحمٰن۔ مولوی محب اللہ۔ و مولوی قلندر علی سے بغیر کسی ترتیب و انتظام کے کبھی منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھیں کبھی تفسیر اور حدیث کا درس لیا۔ اور اگر ان صاحبوں میں سے کوئی پانی پت میں نہ ہوتا تھا۔ تو وہ بغیر پڑھی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ خاصکر علم ادب کی کتابیں شرح اور لغات کی مدد سے اکثر دیکھا کرتے تھے۔

ملازمت

انصاریوں میں سے بہت سے لوگوں نے اوّل اوّل سلطنت مغلیہ کے عہد میں پھر شاہ اودہ کی سرکار میں نہائیت درجہ کا امتیاز حاصل کیا تھا۔ مگر زیادہ تر یہ لوگ اِسی ملک اور مددِ معاش پر قایم رہے۔ جو سلاطین اسلام کیطرف سے وقتاً فوقتاً عطا ہوتی رہی۔ جہاں تک معلوم ہے مولانا کے آبا و اجداد نے ظاہرا کوئی ملازمت دہلی یا لکھنؤ میں اختیار نہیں کی۔ سب سے پہلے ان کے والد ماجد نے سرکار انگریزی کی نوکری سررشتہ پرمٹ میں اختیار کی تھی۔ خود مولانا کو ملازمت حاصل کرنے کا اتفاق اس طرح ہوا۔ کہ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار میں انکو ایک قلیل تنخواہ کی اسامی صاحب کلکٹر کے دفتر میں ملگئی تھی مگر ۱۸۵۷ء میں جب غدر کا ہنگامہ ہندوستان میں برپا ہوا۔ حصار میں بھی بعض سخت واقعات ظہور میں آئے۔ تو وہ نوکری چھوڑ کر پانی پت میں چلے آئے۔ اس کے بعد وہ مدت تک بیکار رہے۔ کچھ مدت کے بعد پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں انکو ایک آسامی ملگئی۔ اس عہدہ پر جو کام اونکو انجام دینا ہوتا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے تھے۔ ان کی عبارت کو وہ محاورہ اور روزمرّہ کے موافق درست کر دیا کرتے تھے۔ اس اسامی پر وہ چار برس تک رہے اور اپنے فرائیض منصبی کو نہایت عمدگی اور خوبی سے انجام دیتے رہے۔ اسکے بعد وہ لاہور سے اینگلو عربک سکول کی مدرسی پر بدل کر آئے۔ اور ۱۳۰۹ھ تک مدرسی کرتے رہے۔

اثنائے مدرسی میں وہ لاہور کے چیف کالج میں بھی آٹھ مہینے تک اتالیق ہوکر

آئے تھے۔ مگر چونکہ یہ اسامی اُن کے مذاق کے موافق نہ تھی۔ اس لئے واپس اپنی جگہ پر آ گئے۔ +

۱۳۰۵ھ میں جبکہ وہ اینگلو عربک سکول کی مدرسی پر تھے حسن اتفاق سے نواب سر آسمان جاہ بہادر۔ مدار المہام حیدر آباد دکن علیگڈھ کالج کے ملاحظہ کے لئے تشریف لائے۔ اور سرسید احمد خان مرحوم کی کوٹھی میں وظیفہ مقرر کر دیا۔ اُسی وقت انہوں نے اینگلو عربک سکول کی مدرسی سے قطع تعلق کر لیا۔ اور یہہ وظیفہ ابتک انکو ماہ بماہ ملتا رہا۔ +

شاعری

جس زمانہ میں مولانا دہلی میں تحصیل علم کیلئے مقیم تھے۔ انکو اکثر مرزا غالب مرحوم کے پاس جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اونکے اردو فارسی دیوان کے جو اشعار سمجھہ میں نہ آتے تہے۔ انکے معنی اُن سے پوچھا کرتے تہے۔ اپنے فارسی دیوان میں سے چند قصیدے بہی انہوں نے پڑہائے تھے۔ اسی زمانہ میں مولانا کو شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ اُنہوں نے اردو یا فارسی کی دو ایک غزلیں لکھکر مرزا کو دکھائیں۔ مرزا کی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والوں کو اکثر فکر شعر سے منع کیا کرتے تھے۔ مگر مولانا کے اشعار دیکھکر انہوں نے کہا کہ مَیں اگرچہ کسی کو شعر کہنے کی صلاح نہیں دیا کرتا۔ مگر تمہاری نسبت میرا خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہوگے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کروگے۔ باوجود اس کے اُس زمانہ میں مولانا کو دہلی میں ایک دو غزل سے زیادہ شعر لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ +

غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت میں بیکاری میں گذر گئے اور فکر معاش نے

انہیں وطن سے باہر جانے پر مجبور کیا۔ تو حسن اتفاق سے نواب مصطفےٰ خان مرحوم رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے انکی شناسائی ہوگئی۔ اور انکی مصاحبت میں رہنے کا موقع ملگیا۔ نواب مرحوم شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے۔ اور فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ وہ اوّل درجہ کے شاعر تھے اورانکا مذاق شاعری اُس سے کہیں زیادہ تہا۔ انہوں نے اوّل اپنا کلام مومن خان کو پھر مرزا غالب کو دکھایا تھا۔ اور اون سے مشورہ سخن کرتے رہے تھے۔

مولنا جب اونکے پاس پہنچے۔ تو انکا پرانا شعر و سخن کا شوق جو ایک مدت سے افسردہ ہورہا تھا تازہ ہوگیا اور انکی صحبت میں مولانا کا طبعی میلان بھی چمک اٹھا جسکو تبتک بروے کار آنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس زمانہ میں مولانا نے متعدد غزلیں اردو فارسی میں لکھیں۔ اور جسطرح نواب مرحوم مشورہ کیلئے اپنا کلام جہانگیر آباد سے مرزا غالب کے پاس بھیجتے تہے اسیطرح انہوں نے بہی اپنی غزلیں اصلاح کیلئے مرزا کی خدمت میں بھیجیں۔ مرزا کی اصلاح نے مولنا کی طبیعت پر ایسا نمایاں اثر نہیں کیا جیسا کہ انہوں نے نواب مرحوم کی صحبت سے فایدہ حاصل کیا۔ نواب مرحوم مبالغہ کو ناپسند کرتے تہے حقائق و واقعات بیانمیں لطف پیدا کرنے اور سچی باتونکو محض حسن بیان سے دلفریب بنانے کو منتہائے کمالِ شاعری سمجھتے تہے چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونوں کو یکساں نفرت تہی۔ غرضکہ مولانا کی شاعری نے نواب مرحوم کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی اور انکی صحبت میں رہکر ایک خاص مذاق انکی طبیعت میں پیدا ہوگیا جسپر انہوں نے آگے چلکر جدید شاعری کی بنیاد ڈالی +

پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو کے ملازمت کے زمانہ میں جبکہ انکو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں کو درست کرنا پڑتا تھا۔ رفتہ رفتہ انکو انگریزی خیالات اور انگریزی طرز ادا سے مناسبت پیدا ہو گئی۔ اور مشرقی انشاء کی فضول حصوں کی وقعت اُن کے دل میں کم ہوتی گئی۔

۱۸۷۴ء میں کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر صیغہ تعلیمات پنجاب کے ایماء سے لاہور میں ایک نئی قسم کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستان میں پہلا مشاعرہ تھا۔ اور جسمیں بجائے مصرع طرح کے کسی مضمون کا عنوان شاعروں کو دیا جاتا تھا۔ کہ اس مضمون پر اپنے خیالات جسطرح چاہیں نظم میں ظاہر کریں۔

اس مشاعرے میں مولوی محمد حسین آزاد نے جو نظمیں مختلف مضامین پر لکھی تہیں آجتک مشہور ہیں مولانا حالی نے بھی چار مثنویاں لکھکر اس مشاعرے میں پڑہی تھیں۔ جنکے نام یہ ہیں:۔ (۱) برکھارُت (۲) نشاطِ امید۔ (۳) مناظرہ رحم وانصاف۔ (۴) حُبِ وطن۔ یہ مثنویاں بہت زیادہ مقبول ہوئیں۔ اور بار بار چھپکر شائع ہوئی ہیں۔ اینگلو عربک سکول کی مدرسی کے زمانہ میں بھی کئی نظمیں مولانا نے اسی طرز کی لکھیں۔ جسکی تحریک لاہور کے مشاعرے میں ہوئی تھی۔ اسی زمانہ میں سر سید مرحوم نے انکو ترغیب دلائی۔ کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی وتنزل کیحالت اگر نظم میں بیان کیجائے تو بہت مفید ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اول مسدس "مدوجزر اسلام" لکھا۔ جو "مسدس حالی" کے نام سے آپکے زیر مطالعہ ہے۔ اور جو عام وخاص لوگوں میں بیحد مقبول ہوا ہے۔ اور جس کے اشعار ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ اور جو ہر قومی مجلس

میں پڑھا جاتا ہے۔ اسکے بعد انہوں نے مسلمانوں کی حالت پر اور کئی نظمیں لکھیں جو بار بار چھپکر شائع ہوئیں۔ +

۱۸۹۳ء میں انہوں نے اپنا اردو دیوان چھپوا کر شائع کیا جس میں انکی جدید اور قدیم اردو نظمیں شامل ہیں دیوان کے شائع ہونے کے بعد بھی انہوں نے متعدد نظمیں لکھی اور شائع کی ہیں جنمیں سب سے اخیر وہ اُردو نظم ہے جو انہوں نے ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی وفات پر لکھی ہے۔ علاوہ اردو کے انہوں نے فارسی میں بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں جنمیں سب سے اخیر وہ نظم ہے جو انہوں نے سر سید مرحوم کی وفات پر ۱۸۹۸ء میں لکھی تھی۔ اسی طرح انکا عربی کلام بھی کسیقدر موجود ہے مگر فارسی اور عربی کی نظموں کا مجموعہ اُن کی زندگی میں شائع نہیں ہوا۔ +

تصانیف

سب سے پہلے مولانا نے ایک کتاب ۱۸۶۷ء میں تریاق مسموم لکھی جسمیں پادری عماد الدین کی کتاب "ہدایت المسلمین" کا جواب نہائیت شان و متانت سے دیا گیا تھا۔ یہ کتاب مذہبی مناظرہ کی دنیا میں بہت مقبول ہوئی تھی۔ مگر اب اسکا کوئی نسخہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ +

مولانا کا ایک رسالہ پادری عماد الدین کی تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے اس سے تین چار برس قبل کی تصنیف ہوگا جسمیں پادریوں کی اور فلسفی اور غیر متعصب یوروپین کی آراء کا مقابلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق نہائیت خوبی سے کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ بھی نایاب ہے۔ +

مابعد کی تصانیف جنہوں نے ہندوستان بلکہ ایشیا میں ادب اور اعلے

اور پاک طرز تحریر کے لحاظ سے انقلاب عظیم پیدا کیا۔ مشہور نام ہیں۔ اور مولناہی کو یہ فخر حاصل ہے۔ کہ انکی زندگی ہیں انکی تصانیف کے تراجم مختلف زبانوں ہیں کیئے گئے۔ جن سے ملک کی مختلف اقوام بہرہ مند و مستفید ہوئیں۔

لاہور میں انہوں نے ایک عربی کتاب کا جو طبقات الارض پر تھی عربی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ کتاب اصل میں ایک فرنچ عالم کی تصنیف تھی۔ مصر کے ایک فاضل نے اسکا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ مولنا نے اس ترجمہ کا کاپی رائٹ بغیر کسی معاوضہ کے پنجاب یونیورسٹی کے حوالہ کر دیا تھا۔ اور ڈاکٹر لائٹنر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی نے اسی زمانے میں یونیورسٹی کیطرف سے چھپواکر شائع کیا تھا۔ لاہور ہی میں ایک کتاب انہوں نے عورتوں کی تعلیم کے لیئے قصے کے پیرایہ میں لکھی تھی۔ اس کتاب پر کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے بمقام دہلی ایک ایجوکیشنل دربار میں لارڈ نارتھبروک کے ہاتھ سے چارسو روپیہ کا انعام دلوایا تھا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اور ایک مدت تک اودھ اور پنجاب کے مدارس نسواں میں جاری رہی ہے اور شاید اب بھی کہیں جاری ہو۔

مثنوی کلمتہ الحق ۱۸۷۲ء میں۔ مسدس حالی ۱۸۷۹ء میں اور سوانح عمری حکیم ناصر خسرو علوی بلخی قریباً ۱۸۸۲ء میں لکھی جو اعلےٰ درجہ کی فارسی سوانحعمری ہے جس کے ساتھ حکیم موصوف کا سفرنامہ بھی ہے۔

حیات سعدی اندازاً ۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی۔ جسمیں شیخ کے نظم و نثر پر نہائیت عمدگی اور خوبی سے ریویو کیا ہے۔ اور جسکے کئی اڈیشن نکل چکے ہیں۔

۱۸۹۳ء میں جب انہوں نے دیوان مرتب کیا۔ تو اوسکے ساتھ تسواد و سو صفحہ کا ایک نہائیت بسیط مقدمہ شعر و شاعری کی حقیقت اور اُسکے حسن و قبح پر لکھکر شامل کیا یہ مقدمہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل جدید ہی۔ اور اس سے مولانا کی اعلےٰ درجہ کی دماغی قابلیت اور مذاقِ شاعری کا نہائیت عمدگی کے ساتھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسکے بعد انہوں نے ایک کتاب "یادگارِ غالب" کے نام سے لکھی۔ اسمیں انہوں نے مرزا غالب مرحوم کے حالات زندگی تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور اُنکی شاعری پر ریویو بھی کیا ہے۔

"حیاتِ جاوید" تقریباً ایکہزار صفحے کی سرسید احمد خان صاحب مرحوم کی نہائیت اعلیٰ درجہ کی سوانح عمری ہے جس کے پڑھنے سے وہ تمام مشکلات اور مطالب جو مسلمانوں کی تمدنی۔ مذہبی اخلاقی۔ اور تعلیمی معاملات سے متعلق ہیں حل ہوتے ہیں نثر نہائیت پختہ اور عالی ہے۔ "مجموعہ نظم حالی" مولانا حالی کی متفرق نظموں کا مجموعہ چھپوایا گیا تہا جسکی تعداد شاید اب بڑھ گئی ہے۔ "مضامین حالی" مولوی سید وحید الدین صاحب سلیم نے مولانا کے نثر مضامین اخباروں اور تہذیب الاخلاق سے لیکر ۱۹۰۴ء کے قریب تین چار سو صفحات پر چھپوائے تھے۔ اب غالباً نہیں ملتے۔ مجموعہ نظم فارسی (ضمیمہ کلیات اردو) کے متعلق آخر عمر میں مولانا کی خواہش تہی کہ مرتب کر کے چھپوائیں افسوس ہے کہ بیماری نے کام مکمل نہ ہونے دیا لیکن اس قدر کامیابی ہوئی کہ زبان بند ہونے کے چند روز قبل ہی مولانا کا فارسی اور عربی مجموعہ پریس میں جا چکا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا درجہ عربی ادب میں کسقدر بلند تہا۔ اور فارسی میں مولانا کی بعض غزلیں نشاط اور

نظیری سے ٹکراتی ہیں۔ یہ کلام کم ہے مگر جس قدر ہے نہایت پختہ ہے۔

خصوصیات کلام نثر

مولانا حالی کی نثر کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ معنے اور الفاظ بالکل برابر برابر ہیں۔ کلام میں کہیں اہمال یا اشکال نہیں۔ لفظ البتہ بعض جگہ مشکل ہیں تنقید اور رائے کیلئے اس سے بہتر طریقہ ادا اس زمانہ میں نہیں ہو سکتا۔ سلاست کلام میں سرسید کا درجہ مولانا حالی مرحوم سے بہت زیادہ ہے۔ بامحاورہ اور دلچسپ عبارت لکھنے میں پروفیسر آزاد یقینی بالا ہیں۔ مگر جو فلسفی عمق حالی میں ہے آزاد میں اسکا پتہ نہیں۔ اور لٹریچر کے جن رموز پر حالی پہنچے ہیں سرسید مرحوم وہانتک نہیں پہونچ سکے مولانا حالی کے مضامین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انکا دل ایک ایسا شفاف اور پاک دریا ہے۔ جو نہایت صفائی سے بہ رہا ہے جسمیں کدورت وغبار بالکل نہیں ہے۔ اور جن کے کلام سے ہر قسم کے ادبی اور اخلاقی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر کسی قسم کی خرابی پیدا نہیں ہوتی

خصوصیات نظم

مولانا کی نظم کے متعلق راے دینا ایک مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ اور وہ راے مبالغے سے خالی نہیں سمجھی جائیگی۔ انکا شمار در اصل جس طبقہ میں ہے۔ وہ شاعروں سے بہت بالا ہے۔ یعنی حکماء معلمین اخلاق اور مصلحین اقوام میں۔ صرف ایک شاعر سے انکو مثال دے سکتے ہیں یعنی سعدی علیہ الرحمتہ سے۔ جب حالی کا کل کلام درسیات میں پڑھا جانے لگیگا تب اسکے پورے فوائد معلوم ہونگے۔

اخلاق وعادات

بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے۔ اور جو لوگ مولانا سے

واقف ہیں۔ وہ اسکی پوری تائید کرینگے۔ کہ مولانا یونانی خیالات کی رو سے
ایک معتدل اور متوسط کامل انسان اور صوفیہ خیالات کی رو سے ایک
صاحب باطن ولی تھے کبھی کسی کی برائی اون کی زبان سے نہیں سُنی گئی
عیب کی نرم تاویل کرنا پسند فرماتے تھے۔ عزیزوں سے بیحد محبت رکھتے تھے۔ غریب
امداد کیلئے ہمیشہ تیار رہتے تہے کسی مذہب کے قایل سے سچ اور عمدہ بات سنتے
اسکی قدر و تعریف کرتے تہے۔ مذہبًا نہایت بے تعصب تھے۔ اونکے والدین آغا
شیعہ تھے لیکن مولانا صوفی منش سُنی تھے مسلمانوں کے مذہبی اختلاف
وہ نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔ اور طریقہ نماز کے علاوہ او کسیطرح کے اختلاف
کو وہ پسند نہ کرتے تہے اونکی اولاد اور خاندان میں دونوں طریقوں کے لوگ
موجود ہیں۔ اونکے پاس بیٹھنے اور باتیں سننے سے نہایت بد باطن شخص بھی
فیض پاتے تھے۔ مرحوم کا انتقال قرآن شریف اور ادعیہ سنتے سنتے
۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۲ء کی درمیانی شب کو ۱۲ بجے کے قریب ہوا جس نے ایک
روشن ستارہ ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ
رَاجِعُونَ ؎

بسیار خوبیاں بخشنے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں ر کُشتہ

تمام شد

مطبوعہ روز بازار سٹیم پریس امرتسر